بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون

اور ہو جاوے تم میں سے ایک گروہ جو نیکی کیطرف بلاوے اور بھلائی کیطرف حکم کرے اور بدی سے منع کرے اور یہی لوگ پوری طرح مصلح ہیں

تشحیذ الاذہان

جلد ۲ ایڈیٹر صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نمبر ۳

فہرست مضامین

محبت الہی صفحہ ۳۳ - ۱۰۴	ایڈیٹر
احمدیوں کا قتل صفحہ ۱۰۵ - ۱۱۶	"
مکتوبات امام الزمان ۱۵ - ۱۸	حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام
ڈائری حضرت اقدس ۱۳ - ۱۶	ایڈیٹر
مسائل شرعیہ صفحہ ۱۱ و ۱۲	مولوی سرور شاہ صاحب مدرس عربی
عربی سیکھنے کے آسان طریقے صفحہ ۱۱ و ۱۲	حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام
الہامات صفحہ اخیر تک	" "

Digitized by Khilafat Library

باہتمام منیجر رسالہ تشحیذ الاذہان ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء کو
قادیان دار الامان سے شائع ہوا۔

اغراض و قواعد رسالہ

الف - اغراض رسالہ مندرجہ ذیل ہوں گے -

(۱) اسلام کا نورانی چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنا -

(۲) حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ نصائح جو گھر میں کئے جاتے ہیں - وقتاً فوقتاً لوگوں تک پہونچانا -

(۳) اسلام پر اور خصوصاً سلسلہ عالیہ احمدیہ پر جو جو اعتراض کئے جاتے ہیں انکی تردید. تہذیب کرنا -

(۴) مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں درج کرنا -

(۵) مسائل شرعیہ درج کرنا - تاکہ ناواقف لوگ واقفیت حاصل کریں -

(ب) قواعد رسالہ مندرجہ ذیل ہونگے

(۱) اس رسالہ سے کوئی مالی فائدہ ذاتی اغراض کے لئے ہرگز ہرگز متصور نہ ہوگا اور جو مالی فائدہ ہوگا - اُسکو اشاعت اسلام میں خرچ کیا جاوے گا -

(۲) - یہ رسالہ انشاءاللہ تعالےٰ ہر ماہ کی دس تاریخ کو قادیان دارلامان سے شایع ہوا کریگا -

(۳) - یہ رسالہ چالیس صفحوں پر ہوا کریگا - ٹائیٹل پیج علٰحدہ ہوگا -

(۴) قیمت عہ؍ رسالانہ بہرصورت پیشگی وصول کیجاویگی -

(۵) - مضامین جو بغرض اندراج رسالہ آئینگے ان کے متعلق ایڈیٹر صاحب کو اختیار ہوگا. کہ اگر مناسب سمجھیں تو درج کریں -

(۶) اس رسالہ کے ایڈیٹر حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب صاحبزادہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں -

(۷) نمونہ کا پرچہ تین آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر مل سکتا ہے -

(۸) تمام خط وکتابت اور ترسیل زر بنام مینیجر ہو — جنرل سکرٹیری انجمن تشحیذ الاذہان

باہتمام مینیجر میگزین مطبع میگزین .... میں مینیجر رسالہ تشحیذ الاذہان کیلئے چھاپا گیا

Digitized by Khilafat Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبت الٰہی

محبت کیا ہے - بعض کہتے ہیں - کہ محبت ایک خیال ہے اور بعض کا قول ہے - کہ محبت ایک جذبہ ہے - لیکن میرا خیال ہے کہ محبت ایک اور ہی چیز ہے جو کہ انسان کی پیدائش کے وقت جبکہ وہ پہلا سانس لیتا ہے اسمیں داخل کی جاتی ہے - تو کیا محبت ایک انسانی فطرت ہے نہیں نہیں محبت ایک غرض ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے جیساکہ قرآن شریف میں آدمی کا نام ہی انسان رکھا گیا ہے جسکے معنے ہیں محبت کرنے والا جیسے کہ سورۃ الرحمٰن میں خدائے عزّوجلّ نے فرمایا ہے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ - یعنی انسان کو پیدا کیا اور اسکو قوت بیانیہ بخشی - علمہ البیان کے معنے اس آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے کیا ہی صاف ہو جاتے ہیں کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ - اب دیکھنا چاہئے کہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے - ایک قولاً اور ایک فعلاً پس اس جگہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے - کہ میں نے انسان کو قوت بیانیہ بخشی پس کیا وجہ ہے کہ وہ میری نافرمانی کرتا اور اُس قوت بیانیہ سے جو میں نے اُسکو عطا کی ہے - میری تسبیح و تقدیس نہیں بیان کرتا - خلق الانسان سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس جگہ اشارہ کرتا ہے - اے آدمی میں نے تو تیری پیدائش ہی میں محبت کرنا رکھدیا ہے - تیرا مقصود تو محبت کرنا ہے - پھر تو اسقدر احسانات اور عنایات کے باوجود جو کہ میں تجھ پر کرتا ہوں - غیر کی محبت میں پڑ گیا ہے - اس جگہ ان آیات کے لکھنے سے میرا صرف اتنا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو پیدا ہی محبت کے لئے کیا ہے - اور اس کے پیدا کرنے کا مقصد اور غرض یہی ہے - کہ خدا تعالےٰ کی محبت میں سرشار ہو اور اُس دائمی زندگی بخشنے والے سمندر میں ہمیشہ غوطہ زن رہے - جیساکہ کسی شخص کا قول ہے کہ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان

کو۔ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کر دبیان۔ یعنی انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے
کہ وہ خدا تعالےٰ کی محبت میں سرشار رہے اور وہ درد جو کہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے اس کی باریک
ٹیس سے ایک خاص لزت اٹھائے ورنہ تابعداری اور اطاعت کے لئے فرشتے موجود ہی
تھے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ اختیارات جو انسان کو دیئے گئے ہیں وہ کسی اور مخلوق کو
نہیں دئے گئے فرشتہ ایک مخلوق ہے کہ جس کا خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بہت ذکر
کیا ہے اور جنکی معرفت خدا تعالیٰ اکثر اپنے بندون پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے میں نے اکثر اس
لئے کہا ہے۔ کہ بزرگ اور اولیا اس بات کے بھی قائل ہیں کہ بلا کسی وسیلہ کے بھی خدا کا کلام
انسان پر نازل ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے کسی بندہ پر خاص طور
سے مہربان ہوتا جیسا کہ نبی کریم ایک ایسا نمونہ موجود ہیں کہ جو ہر وقت ہماری نظرون کے سامنے
موجود ہے اور اگرچہ وہ فوت ہو گئے ہیں مگر پھر بھی ان کے معجزات نشانات اور پیشگوئیاں جو کہ ہر زمان
اور ہر مکان میں پوری ہو رہی ہیں ایک ایسی حجت ہے کہ جو ہر وقت ہمارے سامنے نبی کریم
کا زندہ وجود پیش کرتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ سے بلا کسی وسیلہ کے خدا تعالیٰ نے کلام کیا
جیسا کہ معراج کے موقعہ پر اور دیگر بہت سے موقعوں پر اور یہی نہیں آپ تو بڑی شان کے آدمی
تھے آپ کے ادنا غلامون پر خدا تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ایسی شفقت فرمائی ہے کہ ان سے
اس طرح بلا وسیلہ مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔ میں اس وقت یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ کہ فرشتہ باوجود
ایسی مقرب الٰہی مخلوق ہونیکے اس نعمت سے محروم ہے کہ اُس کے دل میں محبت پیدا ہو۔
محبت وہ چیز ہے۔ جو کہ خود بخود ایک مخلوق کے دل میں پیدا ہو اور فرشتہ جو خدا تعالیٰ کی تسبیح
و تقدیس کرتا ہے۔ تو وہ کچھ ارادہ سے نہیں کرتا بلکہ اس کی خلقت میں ایسا رکھا گیا ہے۔
اور اسکے برخلاف نہیں کر سکتا مگر انسان بسا اوقات خدا تعالےٰ سے نفرت بھی کرتا ہے
جیسا کہ دہریہ وغیرہ کیونکہ وہ اُس ہستی کو مانتے ہی نہیں اور سرے سے ہی اس کا انکار کرتی
اور لغو و بیہودہ قرار دیتے ہیں۔ پس انسان کی محبت خدا سے اور فرشتہ کی محبت خدا سے
ایک فرق رکھتی ہے۔ انسان ایک ارادہ اور خواہش سے اور محبت سے خدا سے تعلق
کرتا ہے۔ تو فرشتہ بلا ارادہ اور محبت کے پس وہ تعلق اتنا قابل قدر نہیں۔ جو کہ بلا کسی

محبت کے ہو بلکہ وہ جو کہ ارادہ اور اختیار سے ہو زیادہ قابل قدر ہے اور یہ موخر الذکر تعلق صرف
ایک انسان کو ہی نصیب ہے اور باقی مخلوقات پہلی قسم کا تعلق رکھتی ہے - یعنی انسان تو بعض
دفعہ اپنے اُسی اختیار کو جو کہ اس کو خدا تعالیٰ نے عنایت کیا ہے کام میں لا کر اُس سے قطع تعلق
کر لیتا ہے - گو یہ کام کیسا ہی ہو اور اس کا نتیجہ کتنا ہی خطرناک ہو مگر ایسا واقعہ تو ہوتا ہے -
کہ ایک انسان خدا سے اپنا تعلق توڑ بیٹھا اور راندۂ درگاہ الٰہی ہو گیا - مگر اسکے برخلاف دوسری
مخلوق ایسا نہیں کر سکتی - اور نہ ان میں یہ طاقت اور قوت ہے صرف انسان کو ہی یہ
اختیار دیا گیا ہے - کہ وہ دیکھتا ہے اور سوچتا ہے - پھر اسکے بعد جو اس کی ضمیر فیصلہ کرتی
ہے اُسپر عمل کرتا ہے - خواہ تو اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اس طرف میلان کرے
کہ جسطرف رجوع کرنے سے وہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے اور یا اسی راہ کو اختیار
کرے کہ خدا کے فضل سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے اور یہ خدا تعالےٰ اپنے پاک کلام
قرآن مجید میں فرماتا ہے - کہ اِنَّا عَرَضْنَا الامانۃ علی السَّمٰوٰتِ والارْضِ والجِبالِ فَاَبَیْنَ
اَن یَحْمِلْنَہا واَشْفَقْنَ مِنْہا وحَمَلَہا الِانسانُ اِنَّہ کانَ ظَلُوماً جَہُولاً - یعنی ہم نے
اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑ و نیز پیش کی پس انہوں نے اُس کے اٹھانے سے
انکار کر دیا - اور ڈرے مگر انسان سے اسکو اٹھالیا تحقیق انسان ظالم اور جاہل ہے -
اس جگہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی امانت یعنی محبت کو آسمانوں کے رہنے والوں
یعنی فرشتوں اور زمین کے حیوانات اور پہاڑوں کے جانداروں پر پیش کیا مگر وہ اس کے
اٹھانے سے ڈرے اور انکار کر دیا مگر انسان جو کہ ظالم اور جاہل ہے - اس نے اس کو
اٹھالیا اور محی الدین ابن عربی صاحب جو کہ ائمۂ اسلام میں سے گزرے ہیں فرماتے ہیں - کہ
اس جگہ پر انسان کی تعریف ہے مذمت نہیں اور ظالم اور جاہل کے الفاظ جو کہ بظاہر بُرے
معنوں میں استعمال ہوتے ہیں - اس جگہ پر تعریف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اور وہ اس
طرح ہے کہ ظالم سے مراد ہے کہ انسان اپنی جان پر ظلم کر سکتا ہے - اور ان مصیبتوں اور
تکلیفوں کو برداشت کر سکتا ہے جو کہ خدا کی محبت میں اسکو پیش آویں اور جاہل اس لئے کہ
اس نے ان تکالیف اور شدائد کی بابت سوچا بھی نہیں جو اس کو اس راہ میں پیش آ سکتی

نہیں اور دوسرے حیوانات نے دور اندیشی سے اس سے انکار کر دیا اور گو کہ اس جگہ انسان نے دور اندیشی سے کام نہیں لیا لیکن یہ اسکی تعریف ہے کہ اس نے خدا تعالیٰ کی محبت کو ایک پیاری اور عمدہ چیز دیکھکر کسی اور بات کا خیال بھی نہیں کیا۔ اور وہ بوجھ جس کا اٹھانا دوسروں نے ناپسند کیا تھا۔ اس کو بہ رضاؤ رغبت اٹھا لیا۔ اور اسی لئے ہر کہ جب انسان اپنے عہد اور اقرار کو پورا کرتا اور خدا کی محبت میں اپنے آپ کو باوجود سخت سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کے ثابت قدم رکھتا ہے تو اس پر اس قدر انعام اور اکرام ہوتے ہیں جو کہ کسی اور مخلوق پر نہیں ہوتے پس یہ بات ثابت ہے کہ انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو کہ محبت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور جس میں ایک طاقت رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے خیال میں اپنے نفع یا نقصان کو سوچ سمجھ کر ایک چیز سے محبت یا نفرت کرے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کا مشاہدہ جہاں تک ہے اور جہاں تک انسانی عقل کام کر سکتی ہے۔ یہ بات سنت اللہ ثابت ہوئی ہے کہ جہاں گل ہے وہاں خار ہونا ضروری ہے اور جہاں صحت ہے وہاں بیماری بھی لازم ہے اور جہاں راحت ہے وہاں غم بھی دروازہ پر سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ کہ جہاں کسی چیز سے محبت ہے اسکی ضد سے نفرت بھی لازمی امر ہے۔ پس جیسا کہ انسان کی پیدائش میں خدا تعالیٰ نے محبت رکھی ہے ایسا ہی ایک حصہ نفرت کا بھی رکھا گیا ہے۔ اور اس سے یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے محبت کیجائے تو غیر اللہ سے نفرت بھی ہو یا یہ کہ جب سستی اور کسل اور بدطینتی اور بدبختی کے ساتھ دامنگیر ہو جائیں اور اُس کے دل میں غیر اللہ کے لئے محبت پیدا ہو جائے۔ تو لازم و ملزوم کی طرح ہو گا۔ کہ اس بدبخت کو خدائے قادر اور پیدا کنندہ زمین و آسمان سے نفرت پیدا ہو جائے گو کہ یہ نفرت بوجہ اس زنگ کے ہو جو اس کے دل پر اس کی شامت اعمال کی وجہ سے لگ گیا ہے غیر اللہ کی محبت وہ محبت نہیں جو کسی انسان سے کی جائے بلکہ وہ محبت ہے جو کہ خدا کے مقابلہ میں کسی اور سے کی جائے۔ ایک انسان سے محبت کرنا اس لئے کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو بھائی بھائی بنایا ہے۔ اور حکم دیا ہے۔ کہ آپس میں محبت سے اور پیار سے رہو۔ اور ایک دوسرے کی اس کے تکلیف کے وقتوں میں مدد کرو اور یہ کہ اپنے بھائیوں

پر احسان کرو۔ ایک ثواب کا کام اور نیکی کی چیز ہے۔ گر جو محبت کہ اس لئے کی جاتی ہے کہ اس سے کچھ دنیاوی خواہشیں پوری کی جائیں۔ یا شیطانی وساوس کو ترقی دیجائے۔ یا یہ کہ اس محبت میں کسی خدا تعالےٰ کے حکم کے برخلاف کیا جائے پس ایسی محبت غیر اللہ محبت ہے اور وہ دن دور نہیں کہ ایسے شخص جو اس قسم کی محبت کرنے والے ہیں اسی دنیا میں پیشتر اسکے کہ ان کی موت کا زمانہ آئے اور وہ خالق حقیقی ان کو روبرو بلائے تاکہ انسے حساب طلب کیا جلئے اس انجام کو دیکھلیں جو کہ غیر اللہ کی محبت کا ہوتا ہے اس جگہ میں کسی قدر محبت کی تشریح کرتا ہون محبت ایک جذبہ تو ہے لیکن جذبہ خلقی ہے جو کہ انسان کے پیدا ہونے سے لیکر اسکی موت تک بلکہ ایک نامعلوم زمانہ تک اس کے ساتھ ساتھ جاتا اور ہر جگہ اس کے کام آتا ہے یہ کچھ ایسا زبردست جادو ہے جس کو ایک انسان سمجھ نہیں سکتا کہ کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ بارہا دیکھا جاتا ہے کہ ایک چیز کی طرف قدرتاً میلان طبیعت بڑھتا جاتا ہے اور یہان تک کہ سوائے اسکے کچھ نظر نہیں آتا اور ہر وقت اُسی چیز کا خیال دامنگیر رہتا ہے اور خود محبت کرنے والا نہیں جانتا کہ میں اس چیز سے محبت کیون کرتا ہون۔ اور کیا وجہ ہے کہ میری طبیعت باوجود اس کے کہ میں اس کو اس طرف سے ہٹانا بھی چاہتا ہون۔ اور چاہتا ہوں کہ میرا خیال کسی اور طرف ہٹ جائے لیکن پھر ایک غیبی طاقت کشان کشان مجھکو اور میرے دل کو اور میری آنکھوں کو اسی طرف کھینچے لئے چلی جاتی ہے اور میں بے بسی اور بیکسی کے عالم میں پڑا رہجاتا ہون اور میری حالت اس وقت مردہ کی سی ہوتی ہے جس کو اس کے اقربا نہلا دھلا کر اور ایک کفن میں لپیٹ کر کنج لحد میں جالٹاتے ہیں۔ اور وہ بیچارہ اس قابل بھی نہیں ہوتا۔ کہ ہاتھ بھی ہلا سکے یا ایک بیجان لکڑی کے ٹکڑے کی سی ہوتی ہے۔ کہ اسکو کوئی اٹھا کر کہیں پھینک دیتا ہے۔ تو کوئی کہیں۔ ترکھان ایک تیز ہتھیار سے کاٹ کاٹ کر طرح طرح کی چیزین بناتا اور اپنے دام کھرے کرتا ہے وہ ہے کہ جانتی بھی نہیں کہ مجھ سے کیا کیا جا رہا ہے۔ یا ایک کمزور عورت جو خلقی طور پر کمزور پیدا کیگئی ہے۔ اور اسکو اٹھا کر تیز اور تند جلتی ہوئی آگ کی نذر کردیتی ہے۔ جہان وہ ایک پل میں خاک کی ایک چٹکی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ ہان خود

محبت کرنے والا نہیں جانتا کہ یہ بہکی بہکی باتیں اور یہ بے بسی کے کام مجھ سے کون کرواتا ہے اصل میں یہ قدرت کے سایہ تلے محبت کا زبردست ہاتھ ہی ہوتا ہے جو اس قدر طاقت اور قوت کے ساتھ زبردست سے زبردست دل کو موم سے زیادہ نرم اور دنیا و مافیہا سے بیخبر کر دیتا ہے بار ہا دیکھا جاتا ہے کہ ایک سخت دل اور طاقتور جوان جو میدان جنگ کے خوفناک سین سے ذرہ بھر بھی خوفزدہ نہیں ہوتا جو قتل و خون کو ایک معمولی کھیل سے زیادہ نہیں سمجھتا اور جسکے خیال میں چمکتی ہوئی تلوار اور دل دہلا دینے والی گولی کی آواز ایک دل خوشکن نظارہ[1] سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی یکایک ایک سے زیادہ سخت محبت کے ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے اور ایسا خود رفتہ ہوتا ہے کہ اس کی پہلی بہادری اور جرأت ایک دم میں کافور ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو کہ ایک فوج کے سر کو جھکا دیتا تھا اب ایک بچپن کے دوست اور تکلیف کے وقتوں کے غمگسار کے آگے اس طرح سر تسلیم کئے کھڑا ہوتا ہے گویا کہ اسکے کانوں نے شوخی اور بہادری اور جرأت کا نام ہی نہیں سنا۔ ایسا کون کرواتا ہے۔ یہ محبت ہی تو ہے۔ لیکن یہ محبت اس محبت سے زیادہ قوی ہے جو اس کو میدان جنگ میں کھڑا کرتی تھی۔ اس وقت اُس کو ملک و دولت یا کسی اور چیز کی محبت تھی جو جنگ کی ترغیب دیتی تھی۔ لیکن اب وہ محبت ہے جو کہ ایک انسان کے حسن اخلاق اور دیگر احسانوں نے پیدا کر دی ہے۔ میرے خیال میں محبت کو اور چیزوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے بجائے اگر آگ کے ساتھ تشبیہ دیجائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ محبت اگر کسی چیز کے لئے حد سے بڑھنا شروع ہوتی ہے۔ تو اس شخص کو کچھ ایسا محو کر دیتی ہے۔ کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔ بیشک غیر اللہ کے لئے ایسی محبت انسان کو خاک کر کے چھوڑتی ہے۔ لیکن یہ محبت کی آگ جب خدا کی مرضی کے مطابق بھڑکائی جاتی ہے تو گو کہ اس کا کمال یہی ہے کہ اس کو جو محبت کی آگ کو اپنے دل میں بھڑکا رہا ہے۔ خاک کر دے لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خاک بھی پھر خاک شفا بنجاتی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

عشق مولا جو کرے شمع صفت جلوہ گری — خاک ہو جائے جو پروانہ تو بن جائے پری۔

[1] نظارہ

یعنی اگر خدا تعالیٰ کا عشق شمع کی طرح لوگوں پر ظاہر ہو تو اُس وقت وہ لوگ جو اس سے محبت کرنے والے ہیں گو کہ پروانہ کی طرح اسپر فدا ہو جائیں اور اس میں یعنی محبت کی آگ میں جلکر خاک ہو جائیں پھر بھی وہ جلنے کے بعد بجائے پروانہ کے پری ہو جائینگے یعنی پروانہ تو ایک ناچیز کیڑا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ایک ناچیز کیڑے سے زیادہ نہیں لیکن جب خدا کی محبت کو اپنے دل میں بھڑکاتا ہے اور اس میں جلجاتا ہے تو اس وقت خدا اسکو پری کا درجہ دیدیتا ہے (پری ایک خیالی مخلوق ہے لوگوں نے اس قدر خوبصورت متصور کیا ہے کہ کوئی اور مخلوق اسکے برابر حسین اور خوبصورت نہیں ہے ......) یعنی وہ لوگ پھر اس قدر عالی مرتبہ اور حسین ہو جاتے ہیں کہ خلقت ان پر ٹوٹی پڑتی ہے اور وہ عشق الٰہی کی آگ میں خاک ہو کر خاک شفا ہو جاتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ان کو خدا تعالےٰ مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ کہ "بادشاہ تمہارے کپڑوں سے برکت ڈھونڈ ینگے" وہ وقت کیا عظیم الشان وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت وہ گمنامی کے گڑھے سے یک دم شہرت کے اونچے ٹیلے پر بٹھائے جاتے ہیں پس دنیا دیکھلیتی ہے کہ یہ ہے اس محبت کا انجام جو کہ اس نے خدا سے کی تھی۔ چونکہ خدا تعالےٰ اپنے محبت کرنے والے کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ اس لئے وہ روز بروز ایسے شخص کو ترقی دیتا اور اسکے تابعداروں کے حلقے کو روز بروز بڑھاتا جاتا ہے۔ اس وقت اگرچہ وہ شخص تنہائی چاہتا ہے اور خلوت کو پسند کرتا ہے۔ لیکن لوگ جوق درجوق اسکی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کو ہر وقت گھیرے رہتے ہیں اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس نے خدا کے لئے اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا تھا۔ اور ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ پس خدا اس گمنامی کا بدلہ جو اس شخص نے اس کے لئے اختیار کی تھی۔ اس طرح دیتا ہے کہ روز بروز اس کی شہرت کو زیادہ کرتا ہے۔ اور وہ جو اس کے مخالف ہوتے ہیں انہیں تباہ کرتا ہے اور اس وقت وہ شخص جو برسوں خدا کی محبت میں دن گزارتا رہا ہے خدا کا محبوب ہو جاتا ہے اور کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو کہ محبت اس سے کرتا ہے جو دائمی ہے اور جو طاقت رکھتا ہے کہ اپنے چاہنے والے کو بدلہ دے اور جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور جو کل صفات سے موصوف ہے۔ بہ نسبت اس شخص کے جو محبت اسی سے کرتا ہے جو آخر مرنے والا

ہے تباہی ہر وقت اس کا انتظار کر رہی ہے اور اس وقت اس سے محبت کرنے والے کو سوائے تباہی بربادی ذلت اور رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا ہاں مگر اس شخص کو جو کسی دوسرے سے خدا کی رضا کے حاصل کرنیکے لئے محبت کرتا ہے۔ گو کہ وہ فانی چیز ہے لیکن خدا کی رضا تو فانی نہیں۔ جب ایک شخص خدا کے رسول سے محبت کرتا ہے کہ اسکی بدولت میں خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کروں اور تاکہ خدا کی رضا میرے شامل حال ہو جائے اس محبت میں وہ روز بروز ترقی حاصل کرتا اور آخر کار سب رشتوں سے زیادہ وہ اسکو عزیز ہو جاتا ہے باپ بیٹا بھائی اور دوسرے عزیزونکی محبت اسکے دل میں کہیں کم ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس محبت کے جو وہ خدا کے رسول سے کرتا ہے۔ یہ محبت اگرچہ ایک انسان سے ہوتی ہے۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ خدا کی محبت بھی ترقی کرتی جاتی ہے اور جب ایک شخص اس غرض سے اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں اور بھائی سے محبت کرتا ہے کہ خدا کا حکم ہے تو اس محبت کی تہ میں بھی خدا کی ہی محبت ہوتی ہے۔ قیامت کے دن ایسے شخص کے سر پر خدا کا سایہ ہوگا۔ اور اُس قادر مطلق مالک یوم الدین کی پیاری آواز اس شخص کے کان میں آئیگی۔ اور اس وقت اسکو کیسی خوشی ہوگی جب وہ سنیگا کہ اے میرے بندے تو نے مجھ سے محبت کی اور میرے لئے تکلیفیں اٹھائیں تیرا چلنا پھرنا کھانا پینا اور جاگنا سونا سب میرے ہی لئے تھا۔ تو نے میری رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھا اور جن سے میں نے کہا تھا تو نے محبت کی اور جن کے تعلق سے میں ناراض تھا۔ تو ان سے الگ رہا۔ اس وقت کیسی خوشکن آواز اس کے کان میں پڑیگی۔ کہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اس وقت اسکو ان چند روزہ تکالیف کے بدلے جو کہ اس نے خدا کیلئے برداشت کی ہونگی دائمی بہشت ملیگا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے اس محبت کا ثمرہ پالیگا۔ جو اس نے خدا سے کی۔ میں اس جگہ یہ بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ محبت وہی نہیں جو کسی انسان سے کی جائے یا کسی اور چیز سے کی جائے بلکہ میرے خیال میں ہر اک کام میں جو انسان کرتا ہے۔ اور ہر اک بات جسکو انسان ترک کرتا ہے۔ اس کی محبت یا نفرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ انسان اپنے پیدا ہونے کے وقت سے جتنے کام کرتا ہے۔ سب محبت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب انسان کو کسی کام کی محبت

ع۱ اگرچہ ان لفظوں میں تو نہیں مگر اسکے قریب قریب ہم کو قرآن حدیث سے ظاہر ہوتا ہے

نہ ہو تو وہ کیونکر اسکو کرسکتا ہے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ محبت کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ میری خیال میں محبت حسن سے پیدا ہوتی ہے اور شاید سب دنیا اس کو قبول کرتی ہوگی۔ اب خواہ حسن صورت ہو خواہ حسن سیرت ہو اور خواہ حسن انجام ہو حسن صورت اس طرح کہ انسان ایک چیز کو اس لئے پسند کرتا ہے۔ کہ اس کی شکل بھاگئی ہے اور اس میں کوئی چیز ایسی ہے یا خصوصیت ہے جو اس کی آنکھون کو پسند آگئی ہو اور حسن سیرت اس طرح کہ کسی کے اچھے اخلاق اور عمدہ برتاؤ سے ایک شخص کا دل اس طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسی محبت اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ کہ وہ محبت کرنے والا شخص اس دوسرے شخص کی جگہ اپنے دل میں خاص طور سے پاتا ہے۔ اور حسن انجام اس طرح کہ ایک شخص کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور غور کرتا ہے۔ کہ اس کا انجام کیا ہوگا جب وہ اس کے انجام کو اچھا اور سودمند دیکھتا ہے تو وہ ہر طرح سے اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ تین قسم کی محبتیں ہیں۔ جو میرے خیال میں طرح طرح کی شکلون میں انسان کی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ بعض دفعہ انسان ایک چیز سے محبت کرتا ہے اور نہیں جانتا۔ کہ مجھ کو اس سے کیون محبت ہے اگرچہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اس شخص کی نظروں سے پوشیدہ۔ دیکھا جاتا ہے۔ کہ ایک آدمی مدت تک ایک جگہ رہتا۔ اور پھر جب وہ کسی وجہ سے اس جگہ کو چھوڑتا ہے۔ تو اسکے دل میں ایک قسم کا قلق اور گھبراہٹ پائی جاتی ہے حالانکہ وہ جتنی مدت تک اس جگہ رہا کبھی بھی اس جگہ کی محبت اس کے دل میں جوشزن نہیں ہوئی اسیطرح دو بچپن کے دوست جو ایک جگہ رہتے رہے ہیں اور جنہوں نے ایک ہی جگہ تعلیم پائی ہے۔ شاید بہت کم ایسے موقعہ پاتے ہونگے کہ انہیں ایک دوسرے کی محبت محسوس ہو لیکن جدائی اچانک آکر اس محبت کو شعلہ زن کر دیتی ہے جو انکے دلون میں مدت سے خفیہ طور پر بڑھ رہی تھی اسوقت وہ جاستے ہیں۔ اور انکے دل اچھی طرح محسوس کر لیتے ہیں۔ کہ ہاں ہمیں آپس میں محبت تھی۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محبت اس آگ کی طرح ہے۔ جو آہستہ آہستہ دہکتی رہتی ہے۔ اور جب اسکو کسی چیز سے ہلایا جاتا ہے۔ تو وہ اچانک شعلہ زن ہوتی ہے۔ میرے خیال میں استغفار پڑھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ محبت الٰہی کی آگ کو بھڑکایا جائے۔ کیونکہ انسان استغفار پڑھنے کے وقت اپنے گناہون کو اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ اور جانتا ہے۔ کہ اگر یہی حالت رہی تو یہ گناہ مجھ میں اور میرے پیارے میں جدائی ڈالدینگے۔ اور آخر کار میں خدا تعالےٰ

سے دور جا پڑونگا جس سے میں محبت کرتا ہون - اور شیطان کے نزدیک ہو جاؤنگا جس سے میں نفرت کرتا ہون - پس اس جدائی کو سامنے دیکھکر وہ کانپ اُٹھتا ہے - اور خدا تعالٰے کی محبت اسکے دل میں اور بھی جوشزن ہوتی ہے - اور اس طرح وہ اُن گنا ہون کو یکلخت ترک کر دیتا ہے جنکی کہ وہ واقفیت حاصل کر لیتا ہے - اور ان نیک بندون کے لئے جو آخر کار گناہوں کے پھندے سے نکل جاتے ہیں - استغفار ایک ترقی کا موجب ہوتا ہے - کیونکہ وہ جتنا خدا کے قریب جاتے ہیں - اتنا ہی ان کے دل میں اُسکے پاس جانیکا اور اشتیاق بڑھتا ہے - اور وہ جو کچھ کہ فاصلہ بیچ میں ہوتا ہے - اس کو ایک گناہ تصور کرتے ہیں - اور خدا سے التجا کرتے ہیں - کہ ہمکو اور بھی اپنے نزدیک کرے - غرضیکہ محبت ایک ایسی زبردست طاقت ہے - کہ یہ ایک طاقتور اور کمزور انسان پر یکسان حکومت کرتی ہے محبت کے کمال کا نام دنیا میں استقلال رکھا گیا ہے بعض لوگونمین محبت کی قوت بہت کم ہوتی ہے - انہی لوگونکا نام بالفاظ دیگر - کم ہمت اور بے استقلال ہے - کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی خواہش ہی بدرجۂ کمال نہ ہوگی - تو کس طرح ایک عرصۂ دراز تک اسکے حاصل کرنیکے لئے سرگردان و پریشان رہ سکتا ہے - مگر جب ایک شخص کو کسی چیز سے بہت ہی انس ہوگا - اور وہ چاہیگا - کہ کسی طرح میں اسکو حاصل کر ہی لون - اس وقت وہ ہر قسم کی تکالیف اور مصائب اور شدائد کو برداشت کریگا - اور ہر طرح سے آخر اسکو حاصل کر ہی لیگا - جیسا کہ کسی نے کہا ہے - من جدّ وجد ورنہ کم سے کم دنیا پر ثابت کر دیگا - کہ میں ایسا شخص نہیں ہوں - کہ کم توجہی سے کسی کام کو ناتمام چھوڑ دون - بلکہ جب تک میرے ہاتھ پاؤں چلیں اور جب تک دنیاوی وسائل میرا ہاتھ بٹا سکیں - میں ہر ایک اس کام کو جس کے کرنیکا ارادہ کر لون - کمال تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہون - یہ ہیں محبت کی طاقتین اور قوتین جن سے وہ دنیا میں کام لیتی ہے - یہ جب جوشزن ہوتی ہے - تو اس وقت انسان کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے اس کے ہوش و حواس سب ہوا ہو جاتے ہیں - اور بےچینی اور بیکلی اس وقت اس کی جلیس ہوتی ہیں - وہ اپنے دل میں ایسا درد محسوس کرتا ہے - کہ سوائے چند گرم آنسوؤں کے جو کہ اسکی گھبراہٹ کا کچھ تھوڑا سا حال بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں - اور کوئی نہیں ہوتا - جو اس کی حالت کا اظہار کر سکے - بلکہ خود اس کی طاقت گویائی تھی کچھ کام نہیں دیتی - اور وہ جسکی زبان کبھی تالو سے نہ لگتی

تھی کلیجہ تھامے ہوئے بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ حالت اس قابل ہوتی ہے کہ اس کا مشاہدہ کیا جائے۔ لیکن یہ تو تب ہو۔ اگر دوسرنکو ایسا واقع پیش نہ آتا ہو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک۔ بلکہ قبر کے کونہ تک یہی واقعات پیش آتے ہیں۔ ایک دودھ پیتا بچہ تک بھی اپنی ماں کی گود میں اور ایک اجنبی کی گود میں فرق محسوس کرتا ہے۔ اور دوسرے کے ہاتھوں میں جاکر خواہ مخواہ رو پڑتا ہے یا بیکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اسوقت اپنے پرائے میں کچھ تمیز نہیں کر سکتا۔ اور اس کو نہیں معلوم ہوتا کہ کونسا میرا دوست ہے۔ اور کون میرا دشمن ہے۔ وہ صرف اس محبت کے تعلق کی وجہ سے جو اسکو اپنی والدہ سے ہوتی ہے۔ غیر میں اور اپنی ماں میں ایک فرق محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ کہ دل را بہ دل رہیست یعنی اگرچہ ایک کو دوسرے کی محبت کا علم بھی نہ ہو تو بھی بوجہ محبت کی کشش کے وہ اسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بچہ ذرہ بڑا ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت بھی وہ محبت کے اثر سے محفوظ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت اپنے ہم عمر بچوں سے محبت کا تعلق رکھتا ہے۔ اور جب وہ کچھ اور بڑا ہوتا ہے۔ یعنی بلوغت کے قریب پہنچتا ہے۔ تو اسوقت سے دوسرا سلسلہ محبت کا شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی اُسکو کسی قدر عقل آجاتی ہے کہ محبت کرنیکے لائق ایک اور ہستی ہے جو کہ زمین و آسمان کی پیدا کرنے والی اور برے بھلے کی فرق کرنے والی ہے۔ پس اُسوقت اگر وہ اپنی اصلاح کرتا۔ اور صاف اور سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ تو آئندہ زندگی میں اسکے لئے بہت سی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ راہ جو بہتوں کو بہت دشوار اور ناقابل گزر معلوم ہوتا ہے۔ اسکے لئے ایک عمدہ آسان اور بلا خوف و خطر معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر اسی طرح انسان جوان ہو کر بھی بہت سے تعلقات رکھتا ہے اور اسکو محبت کرنی پڑتی ہے۔ اور جب وہ بوڑھا ہوتا ہے۔ تو تعلقات اور بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ محبت بھی ترقی کر جاتی ہے۔ اور پھر بوجہ ایک لمبی عمر پانیکے بوڑھا آدمی اپنے کئی دوستوںکو چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ اور وہ اس سے پہلے اس دنیائے فانی کو الوداع کہ چکے ہوتے ہیں اور خواہ مخواہ اسکو وہ زمانہ ... جب کہ یہ اپنے دوستوں میں بیٹھتا تھا۔ یاد آتا ہے۔ اور محبت اسکو بیقرار کرتی ہے۔ اور نہیں تو اپنی پچھلی عمر کی باتیں یاد آکر اسکو خدا سے محبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے گناہوں سے ڈرتا اور پچھتاتا ہے۔ اور اگر دوستوں کی جدائی کا داغ بھی رکھتا ہو۔ اور کچھ صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ تو بیساختہ کہ اُٹھتا ہے۔ کہ سبحان اللہ

یعنی سب کے لئے فنا مقدر ہے - اور تکلیفیں آرام کے ساتھ ضروری ہیں لیکن صرف ہاں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ان تمام انقلابات اور فنا سے پاک ہے - یا بے اختیاری میں وہ یہ کلمہ زبان پر لاتا ہے - کہ انا للہ وانا الیہ راجعون - یہ فقرہ جو کسی غم کے وقت بولا جاتا ہے - میرے خیال میں اسکے معنوں میں بھی محبت کی طرف ایک اشارہ ہے - یعنی جب ایک چیز جسکو ہم پسند کرتے ہیں - ٹوٹ جاتی یا گم ہو جاتی ہے یا ایک شخص ہم سے جدا ہوتا ہے - خواہ دائمی خواہ ایک وقت مقررہ تک کے لئے - اسوقت ہم یہ کہتے ہیں - کہ ہم تو خدا کے لئے ہی ہیں - اور ہم نے اسی طرف لوٹنا ہے - یعنی فنا سب کے لئے ہے - سوائے خدا تعالےٰ کے اور ہم بھی کسی دن انہی فنا شدہ لوگوں کی طرح فنا ہو جائینگے - لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرہ میں ایک محبت کا بھی اشارہ ہے - یعنی خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو سکھلاتا ہے کہ نقصان کے وقت تم یہ پڑھا کرو - اور اس میں اشارہ فرماتا ہے - کہ تم تو میرے لئے ہی ہو - اور میرے پاس ہی لوٹو گے - اور ایک میری ہی ہستی ہے - کہ جس کی محبت تمکو کچھ فائدہ دے سکتی ہے - تو کیا وجہ کہ تم ایک فانی چیز سے اسقدر محبت کرتے ہو - تمکو تو چاہئے - کہ تم مجھ سے محبت کرو - جو فانی نہیں - وہ چیزیں تو تم سے جدا ہونے والی ہیں - اور اسکے برخلاف میری طرف تم لوٹنے والے ہو - اور مجھ سے تم کو جدائی نہیں - تو بتلاؤ کہ ایسی چیز سے محبت کرنی چاہئے - جو جدا ہونے والی ہے اور آخر رنج دینی والی ہے یا اس ہستی سے جس کی طرف لوٹنا ہوگا - اور اس سے لوٹنا کبھی نہ ہوگا اور ہمیشہ اس محبت کا ثمرہ ملتا رہیگا - پس جب انسان کسی خسارہ یا تکلیف کے وقت اس فقرہ کو زبان پر لاتا ہے تو اسکے دل میں فوراً صبر اور استقلال کی ترغیب پیدا ہوتی ہے - کہ کیا وجہ کہ میں ایک فانی چیز سے محبت کروں - جبکہ نہایت حسین اور نہایت پیارا غیر فانی خدا میرے سامنے محبت کرنے کو موجود ہے - مگر جب انسان خدا سے محبت کرتا ہے - تو ساتھ ہی اسکے دل میں خدا کی مخلوق کی محبت بھی جوشزن ہوتی ہے - اور جتنا وہ اسمیں بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اس میں بھی ترقی کرتا ہے - اس وقت انسان جس چیز کو دیکھتا ہے - معاً قادر خدا کی قدرت یاد آجاتی ہے کہ یہ سب صنایاں اُسی کی ہیں - اور جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے - وہ سب اُسی کی مخلوق ہے - پس بوجہ اسکے کہ وہ اُسکے محبوب کی بنائی ہوئی چیز ہے

اور اسکے ارادہ اور حکم سے بنی ہے وہ اسکی قدر کرتا ہے۔ اور اسی لئے وہ ان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ جن میں کہ دوسرے لوگ اس وجہ سے پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ انکو خدا سے محبت نہیں ہوتی یا اس درجہ تک نہیں ہوتی مثلاً ایک خدا سے محبت کرنیوالا۔ انسان اصراف سے پرہیز کریگا کیونکہ وہ برداشت ہی نہیں کرسکیگا کہ ایک چیز جو کہ خدا نے اسکو دی ہے بلا ضرورت اور بلا وجہ ضائع کیجائے۔ اور وہ ظلم و تعدی سے پرہیز کریگا کیونکہ اسکی طبیعت اسکی متحمل نہیں ہوسکیگی۔ کہ خدا تعالےٰ کی بنائی ہوئی چیز کو تباہ کرے۔ اور اسی طرح اس محبت سے جو کہ ایک انسان کو خدا سے ہو وہ دیگر تمام گناہوں اور کمزوریوں سے بچتا ہے۔ اور برخلاف اسکے جو خدا تعالےٰ سے محبت نہیں رکھتا اگر انجام کے خوف سے اور سزا کے ڈر سے گناہوں اور بدیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرے۔ تو اس حد تک نہیں بچ سکتا جہاں تک کہ وہ شخص جو کہ محبت اور اخلاص کی وجہ سے بچتا ہے۔ اسوقت یہ بھی کہدینا ضروری ہے کہ اخلاص سے کام کرنے والا انسان بھی ایک قسم کا سزا کا ڈر اور خوف رکھتا ہے۔ مگر وہ بھی اسلئے ہوتا ہے۔ کہ کہیں میری محبت میں خلل نہ آجائے۔ اور ایسا نہ ہو کہ میں خدا تعالےٰ سے دور جا پڑوں۔ ہاں بعض اولیاء کے قول سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ ایسے انسان بھی دنیا میں ہوتے ہیں جنکے دل میں خوف دوزخ یا امید بہشت کچھ بھی نہیں ہوتا اور صرف اس اخلاص اور محبت کیوجہ سے اعمال کرتے ہیں جو کہ انکو خدا سے ہوتا ہے اسجگہ اصل مطلب تو میرا یہ ہے۔ کہ اخلاص اور محبت الٰہیہ سے انسان گناہون سے بچ جاتا ہے۔ اور محبت کے درجہ مختلف ہیں جتنی محبت ہوگی اسی قدر قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ملیگی۔ پس ضروری ہوا کہ گناہون سے بچنے کے لئے اور ترقی درجات کے لئے ہم اپنا تعلق خدا سے بڑھائیں اور اپنے دل میں وہ اخلاص اور محبت پیدا کریں جس سے کہ ہم خدا تعالےٰ کے قریب ہوجائیں۔ اور شیطان ہم پر حملہ کرنے سے روکا جائے اور ہم ایک سورج کی طرح ہون۔ جس سے کہ ایک دنیا روشنی پکڑتی ہے مگر مسئلہ زیر بحث تو یہ ہے۔ کہ آیا وہ خدا جس سے ہم محبت کرنی چاہیئے وہ عیسائیوں کا خدا ہے۔ یہودیوں کا خدا ہے۔ ہندوؤں کا خدا ہے۔ یا مسلمانوں کا خدا ہے۔ اسجگہ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خدا تو ایک ہی ہے۔ مگر مختلف مذاہب مختلف رنگون

ہیں اسکو پیش کرتے ہیں - اور مختلف شریعتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں[لہ] اور یہ مذاہب کا جھگڑا بہت پرانے زمانہ سے چلا آتا ہے - اس لئے ایک صاحب بصیرت کا فرض ہے - کہ وہ غور سے سب مذاہب پر ایک نظر ڈالے اور پھر فیصلہ کرے کہ کونسا مذہب سچا اور کونسا خدا اس قابل ہے - کہ اس سے محبت کیجائے بالفاظ دیگر کونسا مذہب ہے جو کہ خدا کی طرف سے ہے اب اس موقعہ پر ہم مختلف مذاہب پر ایک مختصر نظر ڈالنا چاہتے ہیں - تاکہ ناظرین اس سے فائدہ اٹھائیں اور کسی وقت جب کہ ان کو اس قسم کا مباحثہ کرنا پڑے تو اس پر نظر رکھیں -
پہلے ہم عیسائیوں کے خدا کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ عیسائی اپنے خدا کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ عیسائی ایک مدت سے توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے قایل ہیں یعنی وہ اسبات کے قایل ہیں - کہ توحید تثلیث میں ہے اور تثلیث توحید میں ہے اگرچہ یہ ایک ایسی بات ہے - جو انسانی سمجھ میں نہیں آسکتی - کیونکہ یہ کسطرح ممکن ہے کہ ایک تین ہو اور تین ایک - مگر خواہ یہ ٹھیک ہو یا نہ ہو عیسائی ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور تین کے قایل ہیں - اور پھر ساتھ ہی ایک کے وہ یہ بھی کہتے ہیں - کہ باپ بیٹا اور روح القدس تین خدا ہیں - لیکن ساتھ ہی یہ سب ایک ہی ہیں - پہلے تو ہم اسبات پر غور کرتے ہیں تو معلوم

لہ اس وقت بہت سے ناظرین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا - کہ ایک فرقہ تو خدا کا منکر ہی ہے پس پہلے خدا ثابت کیا جائے - تو پھر کوئی اور بات شروع ہوگی مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ میرا مضمون ہی دہریہ کے خیالات کا رد ہے - کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت کا مادہ دل میں ہو - اور محبوب کوئی نہ ہو جب کہ دل میں محبت کا مادہ موجود ہے کہ اسکا صانع یا خالق کوئی ہے جس نے محبت کا مادہ دل میں پیدا کیا ہے اور انسانی دل خواہ مخواہ اس کی طرف کشش کرتا ہے کہ اسکو ڈھونڈھ نکالے - پھر ہم دہریہ سے سوال کرتے ہیں کہ خلائق کس نے پیدا کی اور جب وہ ذرات عالم کی طرف اشارہ کرے تو پھر یہ سوال ہوگا - کہ انکو کس نے پیدا کیا - اور اسی طرف ایک حد تک چلکر ایک طاقت ماننی پڑیگی جو کہ یہ سب کام چلا رہی ہے - پس وہی تو خدا ہے جو خالق ارض و سما اور علیم و خبیر ہے تمام نیک صفات کا مجموعہ ہے پس دہریہ کا ابطال تو یہ مضمون خود کر رہا ہے - پھر اسکا ذکر لانا بالکل فضول ہے

ہوتا ہے کہ یہ مذہب بہت کچھ انسانی دست برد کے نیچے آچکا ہے۔ کیونکہ تین خداؤں کی کونسل ظاہر کرتی ہے کہ ایک خدا انتظام مخلوق سے قاصر ہے۔ جو کہ خود انکے عقیدہ سے برخلاف ہے۔ وہ خدا کو قادرِ مطلق سمجھتے ہیں پھر کیونکر ممکن ہو کہ تینوں قادر ہوں قادر مطلق تو وہ ہے جو بلا کسی اور کی مدد کے حکمران ہو مگر یہاں تو دو اور ساتھ لگے ہوئے ہیں ہم خود عیسائی سلطنتوں میں دیکھتے ہیں کہ جب ایک کام پر ایک سے زیادہ آدمی لگائے جاتے ہیں۔ تو ان میں سے ایک کو دوسرے کی نسبت زیادہ اختیار دیئے جاتے ہیں اور وہ بہ وجہ اس امتیاز کے جو کہ اپنے دوسرے ساتھیوں پر رکھتا ہے اس اختلاف کو مٹاتا ہے۔ جو کہ وقتاً فوقتاً حادثات زمانہ اور ضروریات وقت کی وجہ سے ان میں پڑ جاتا ہے پس اگر یہ ممکن تھا۔ کہ تین ہی قادر مطلق ہوں۔ تو یہ عیسائی سلطنتیں جو کہ حضرت عیسیٰ کی غلامی کا دم بھرتی ہیں کچھ نمونہ ہمکو بھی تو دکھلائیں۔ کہ کس طرح تین کا قادر مطلق ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ ملتی ہوئی بات بھی ہم ان میں نہیں پاتے تو کیونکر خیال کر سکتے ہیں کہ انکے خدا تین بھی ہیں اور پھر قادر مطلق بھی اور پھر ایک کے ایک۔ تین کا ہندسہ ظاہر کرتا تھا کہ انتظام کے لئے کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہوگا۔ مگر افسوس اور حیرت کی بات تو یہی ہے کہ پھر وہ تینوں قادر مطلق بھی ہیں اگر کثرت رائے ہوتی ہے۔ تو جب ایک مخالف کی بات نہ مانی جاتی ہوگی تو کیا اس کی قدرت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا ہوگا۔ بات یہ ہے۔ کہ یہ عقیدہ کچھ ایسا بے ڈھنگہ۔ اور لغو واقع ہوا ہے کہ کوئی انسانی عقل حتیٰ کہ خود عیسائی بھی اسکو سمجھ نہیں سکتے۔ بلکہ جب ان سے سوال کیا جائے تو صاف جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ عقیدہ انسانی عقل سے بالا ہے مگر کیا وہ عقیدہ جو انسانی عقل سے بالا ہو اس قابل ہے کہ انسان کے سامنے پیش کر کے اس کو پریشان اور حیران کر دیا جائے۔ کیا یہ عیسائیوں کے خدا کی کونسل کا ظلم نہیں۔ کہ وہ ایسا عقیدہ انسان کو منوانا چاہتی ہے۔ جس کے مطابق اس کے لئے انسان کا دماغ بنایا ہی نہیں۔ ایک دنیاوی گورنمنٹ تو اپنی رعایا کی بہتری کی تجاویز سوچتی ہے۔ اور نہیں تو کم سے کم اسبات کا خیال رکھتی ہے۔ کہ کہیں وہ بوجھ جو ان پر ڈالتی ہوں۔ حد سے زیادہ تو نہیں ہو جاتا مگر یہ آسمانی کونسل اسبات پر انسان کو دائمی دوزخ میں ڈالتی ہے جس کا ماننا اسکے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ کیا یہی وہ عدل ہے۔ کہ

جس پر عیسائیوں کا خدا فخر کرتا ہے پھر ایک اور بات ہم کو نہایت تعجب میں ڈالتی ہے کہ جبکہ زمانہ ایک ہے یعنی جب سے خدا ہے اس وقت سے بیٹا ۔ اور ساتھ ہی قدرت اور طاقت بھی ایک ہی ہے ۔ اور پھر بیٹے کی ماں بھی کوئی نہیں تو ایک کو بیٹا اور ایک کو باپ کس طرح قرار دیا گیا ہے ۔ کیا بیٹے کا حق نہیں کہ وہ باپ ہونے کا دعوے کرے جبکہ وہ قادر مطلق ہے اور باپ کا ہم عمر بھی تو کیوں اسکی حق تلفی کر کے اسکو بیٹا قرار دیا گیا ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد کفارہ پر رکھی گئی ہے اور یہی چبوترہ ہے ۔ جس پر کہ عیسائیت کا بت رکھا گیا ہے ۔ یا یہی وہ مسالہ ہے کہ جس پر عیسائیت کی عمارت کھڑی کی گئی ہے ۔ اور اس کفارہ سے یہ مراد ہے کہ جب بیٹے نے یعنی مسیح نے دیکھا کہ باپ .... تو بوجہ عدل کے کسی کا گنہ بخش نہیں سکتا اور اتنی مخلوق خواہ مخواہ جہنم میں جا رہی ہے ۔ تو اسنے اپنی قربانی کر کے مخلوقات الٰہی کو گنہ سے بچایا ۔ یعنی وہ مسیح کی شکل میں اس دنیا میں ظہور پذیر ہوا اور پھر یہودیوں کے ہاتھ سے سولی دیا جا کر تمام گناہوں کو اپنے سر پر لے گیا اور اب وہ جو کہ اسکے کفارہ پر ایمان لائیں ان کے تمام گناہ بخشے جائینگے اور وہ ان وعدوں کے مستحق ہونگے ۔ جو کہ خدا تعالے نے اپنے نیک بندوں کے ساتھ کئے ہیں ۔ مگر اس بات پر غور کرنے کے ساتھ ہی پہلا اعتراض جو اسپر پڑتا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ جب خدا بھی قادر مطلق اور بیٹا بھی تو کیا وجہ کہ مسیح نے اپنی قدرت سے تمام لوگوں کو نجات نہ دیدی ۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یعقوب باب ۸ آیت ۱۳ میں صاف طور سے لکھا ہے کہ "رحم عدالت پر غالب ہوتا ہے" تو کیوں خدا کو ضرورت پڑی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرے اور خلقت کو گناہ سے بچائے جب کہ رحم عدالت پر غالب ہے تو کیوں اسنے رحم کر کے لوگوں کو نہیں چھوڑ دیا اور کیوں اس نے ان کو جو کہ گناہگار تھے بخش نہ دیا ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یعقوب کا قول ہمارے لئے سند نہیں تو یہ ایک نہایت ذلیل عذر ہوگا ۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو کیوں یعقوب کے خطوط کو بائبل میں جگہ دیگئی ہے اور اگر وہ اس قابل ہیں ۔ کہ انکو ردی کے ٹوکرہ میں پھینک دیا جائے تو کیوں اب اب بھی عیسائی اس سے سند لیتے ہیں ۔ اگر وہ خطوط غلطی سے بائبل میں درج ہو گئے تھے تو اب ان کو نکالا

سکتا ہے مگر اس صورت میں بھی ایک بہت بڑی مشکل پیش آویگی وروہ یہ کہ مسیح نے اپنے بارہ
حواریون کے لیئے تخت کا وعدہ کیا تھا اور اگرچہ وہ پورا نہیں ہوا مگر پھر بھی عیسائیون نے تخت سے مراد
اسمانی تخت لیکر کسی قدر اپنا پیچھا چھڑوایا تھا اور اب جبکہ یعقوب سے کسطون کو بھی خلاف ارشاد
حضرت عیسیٰ ان تصویا جائیگا - تو لازم ہوگا کہ یعقوب کو بھی ایک بدگو اور جھوٹا انسان سمجھا جائے اور
اس صورت میں دواری روحانی تختون سے بھی محروم ہو جائینگے ایک تو یعقوب دوسرے یہودا
اسکریوتی جس نے تیس روپے لے کر اپنے استاد یسوع کو دشمنون کے حوالہ کر دیا اور اس روحانی
تخت سے محروم رہا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا - اور اب جب کہ دواری آسمانی تخت
سے محروم کیئے جائینگے تو معلوم نہیں کہ عیسائیون کو وہ کس قسم کے تحت مان سے پڑینگے -
جس کا کہ یسوع نے اپنے حواریون سے وعدہ کیا تھا - اب میں اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہون
اور عیسائیون کو اسبات کی طرف توجہ دلاتا ہون - کہ وہ ذرہ "رحم عدالت پر غالب ہوتا ہے"
کے معنے بتائیں - پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دانیال نبی کی کتاب میں باب ۹ آیت ۱۶ میں لکھا ہے -
"اے خداوند میں تیری منت کرتا ہون - کہ تو اپنی ساری راستبازی کے موافق اپنے قہر اور
اپنے خشم سے جو تیرے ہی شہر یوروسلم پر ہے - جو کوہ مقدس ہے دست بردار ہو کیونکہ ہمارے
گناہون کے اور ہمارے باپ دادون کی شرارتونکے سبب سے یوروشلم اور تیرے لوگ ان
سابی قومونکے حضور میں جو اُس پاس ہیں مورد ملامت ہوئے ہیں" - اسجگہ دانیال نبی اپنے گناہون
اور اپنی قوم کے گناہون کی معافی خدا تعالےٰ سے چاہتے ہیں - پس اگر وہ گناہ معاف نہیں
کر سکتا اور عادل ہے تو دانیال نبی کا یہ فعل عبث ہو جاتا ہے - مگر اسکے برخلاف جبریل نے آکر اُن
کو سنایا ہے کہ تیری دعا سنی گئی اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تواریخ نمبر ۲ باب ۳۰ آیت ۲۰ میں لکھا
ہے کہ حزقیا نے نبی اسرائیل کے لیئے دعا مانگی اور خداوند نے اس کی سنی اور معاف کیا گیا عیسائی
صاحبان اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ جب خدا کی عادت ہے کہ وہ گناہ معاف کر دیتا ہے تو کیون
اس کو لغو کام سوجھا کہ اپنے بیٹے کو مفت میں پھانسی دلوائی اور لوگون کے گناہ معاف نہ کیئے
پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی اسبات کے جواب میں بعض دفعہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یسوع سے
پہلے جو لوگ بیٹے پر ایمان رکھتے تھے ان کے گناہ بھی بخشے گئے لیکن اس جگہ یہ بات بھی نہین

کیونکہ ایمان لانے والے کے گناہ تو پہلے ہی بخشے گئے خدا نے یہ کیا لغو بات کہی کہ میں نے حزقیا کی دعا سنکر گناہ معاف کئے جو کفارہ پر پہلے سے ہی ایمان لائے ہوئے تھے اور جن کا یقین اور اخلاص اول ہی سے کامل تھا ان کو گناہ گار ٹھہرانا ایک بہت بڑی نا انصافی ہے اور یا تو اس جگہ خدا سے ہی غلطی ہوگئی ہے ۔ یا حزقیل نبی نے نعوذ باللہ افترا سے کام لیا اور مخلوق الٰہی کو دھوکا دینا چاہا ہے اور یہ دونوں ایسی صورتیں ہیں کہ ان میں سے ایک کو مان کر بھی عیسائیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ مگر نہیں جس مذہب کا خدا گناہ سے پاک نہیں اس میں ایک نبی پر تہمت کا لگنا اور گناہ گر ثابت ہونا کوئی بڑی بات نہیں پھر ہم دیکھتے ہیں اب تک جو ہم نے ثابت کیا ہے یہ ہے کہ عیسائیوں کا خدا اول تو اس قابل ہی نہیں کہ وہ سمجھ میں آسکے اور پھر اس کی باتیں اور کلام کچھ ایسی متناقض واقع ہوئی ہیں کہ ایک عقلمند سے عقلمند انسان ان کے سمجھنے سے قاصر ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ گناہ معاف کرتا ہے اور دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ میں عادل ہوں اور گناہ معاف نہیں کر سکتا ۔ یہ بات تعجب اور حیرت سے دیکھنے کے قابل ہے کہ خدائے قادر کو کیا ضرورت پڑی کہ اس نے ایسا دو رخا کلام کیا ۔ کیا وہ اپنے بندوں سے ڈرتا ہے یا کوئی اور بھید ہے جسکو ہم سمجھ نہیں سکتے مگر پہلی بات زیادہ زبردست معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس نے یہودیوں کی مار کھا کر ایک تجربہ حاصل کر لیا تھا ۔ اور خیال کیا تھا کہ اگر میں کفارہ کا باطل مسئلہ ان کے سامنے پیش نہ کروں گا ۔ تو معلوم نہیں مجھ سے کیا سلوک کرینگے ۔ اب ہم اتنا تو ثابت کر چکے ہیں ۔ کہ کفارہ کا مسئلہ انسانی عقل سے بعید ہے اور یہ کہ عیسائیوں کا خدا دو رخا کلام کرتا ہے پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم ایسے خدا سے محبت کریں ۔ اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی اپنے دل میں اس کا تصور جمائے رکھیں ۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو عیسائیوں کا خدا جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا بھی نہیں کرتا ۔ اس نے کہا ہے کہ گناہ کی سزا جسم پر بھی پڑتی ہے اور روح پر بھی اور یہی اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے جیسا کہ پیدائش باب ۳ آیت سولہ میں ہے کہ "میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤنگا ۔ اور درد سے تو لڑکا جنیگی" اسی طرح آیت ۱۸ و ۱۹ میں ہے "وہ زمین تیرے لئے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگادیگی اور تو کھیت کی نبات کھائیگا ۔ تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائیگا" اور یہ وہ سزا ہے جو کہ آدمؑ اور حوا کو بسبب ایک گناہ کے خدا تعالیٰ

نے دی ہے. مگر جبکہ کوئی مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے تو چاہئیے کہ وہ اس تکلیف سے بچ جائے۔ کیونکہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لانے سے اُسکے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کئے گئے اور اب اس کا حق ہو کہ اگر وہ عورت ہے تو دردِ زِہ سے بچہ نہ جنے اور اگر مرد ہے تو اس کو محنت مزدوری نہ کرنی پڑے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ میں ہر سال بیسون عورتین بچہ جننے کی تکلیف سے ہلاک ہو جاتی ہیں. کیا خدا کو اپنا وعدہ بھول گیا۔ یا وہ آرام میں ہے۔ اور قصون کے دیون کی طرح جو کہ ایک دراز زمانہ تک ایک ہی کروٹ پر سوتے رہتے ہیں وہ بھی سو رہا ہے بہر حال کچھ بھی ہو اسکو خبردار کرنا چاہئیے اور تمام عیسائیون کا فرض ہے کہ وہ ملکر اُسکی خدمت میں ایک ڈیپوٹیشن پیش کریں تاکہ اِس روز مرہ کی تکلیف سے بچ جائیں۔ اور ایسا ہو کہ پھر عورتین بلا درد کے بچہ جنیں۔ اور مرد بلا محنت کے روزی حاصل کریں. تب بیشک عیسائیون کا فرض ہوگا کہ وہ دنیا کے سامنے اس مذہب کو پیش کریں اور گو کہ تثلیث لوگونکی سمجھ میں نہ آوے مگر ان کا یہ کہنے کا حق ہو جائیگا. کہ وہ جو ہم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ کرنے والا ابھی موجود ہے. مگر جبکہ ان کا خدا وعدہ کرکے بھول جاتا ہے۔ تو ہم اُس سے نجات کی کس طرح امید رکھ سکتے ہیں ہم دیکھتے ہیں. کہ اس نے عیسائیوں سے تین وعدہ کئیے ہیں. مگر اب تک ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا اسنے بارہ حواریون سے بارہ تخت کا وعدہ کیا۔ یہان تک کہ لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶ میں ہے کہ "اب جس کے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس پاس نہیں اپنے کپڑے بیچ کے تلوار خریدے،،" اِسکا سوائے اسکے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ اُس تخت کے وعدے کو اور بھی مضبوط کیا جائے مگر افسوس ہے تخت تو کیا ملنے تھے ان میں سے ایک حواری تو برگشتہ ہو گیا جسنے کہ تیس کھوٹے درہم لیکر اپنے استاد کا سراغ بتایا اور ایک نے تین دفعہ یسوع پر لعنت کی پس ایک تو یہ وعدہ تھا جو آجتک پورا نہ ہوا۔ اور دوسرا وہ ہے جو قیامت تک بھی نہ ہوگا یعنی مسیح نے حواریون سے وعدہ کیا تھا۔ "لوقا باب ۲۱ آیت ۲۷" "لوگ ابن آدم کو بدلی میں قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ آتے دیکھینگے،، پھر آیت ۳۲ و ۳۳ میں ہے کہ "میں تم سے سچ کہتا ہون کہ جب تک یہ سب ہو نہ لیوے یہ پشت کبھی نہ گزریگی۔ آسمان و زمین ٹل جائینگے پر میری باتین کبھی نہ ٹلینگی،،" مگر وہ پشت تو الگ رہی اس زمانہ سے آجتک یہودیون کی بیسون

پشتیں گزر گئیں مگر اب تک یسوع آسمان سے قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ نہیں اترا
پھر تیسری وعدہ خلافی وہ ہے جو کہ ہم اوپر گناہوں کی معافی کی نسبت بیان کر چکے ہیں ۔ اب دیکھنا چاہئیے
کہ جب یہ تینوں وعدے جو مسیح یا خدا نے اپنے بندوں سے کئے تھے وہ آجتک پورے نہیں ہوئے
تو اس سے اور کیا امید ہو سکتی ہے ۔ اب ہم آخری بات جو ناظرین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں
وہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح لعنتی تھا ۔ اور یہ بات بالکل ہی لغو اور بیہودہ ہے کیونکہ لعنت
تعلق رکھتی ہے دل سے اور کسی کا لعنتی ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا دل خدا سے پھر گیا مگر یہاں
تو خود مسیح ہی خدا تھا ۔ اس کا دل پھرا تو کس سے پھرا ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُس وقت انسانی قالب
میں تھا تو اور الزام آئیگا ۔ اور اس صورت میں ماننا پڑیگا کہ اس کا دل خدا سے جو باپ تھا پھر گیا اور یہ
بات ناممکن ہے ۔ کیونکہ وہ اسی کی طرف تو لوگوں کو بلانے آیا تھا پس ان تمام باتوں سے معلوم
ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا خدا وہ خدا نہیں جس سے ہم کسی بہتری کی امید کر سکیں یا ہمارا دل جسکی طرف
محبت کرنیکے لئے جھک جائے اور یہ کفارہ کی آڑ بھی سوائے دھوکے کی ٹٹی کے اور کچھ نہیں اور
یہ ایک لغو بات ہے کہ مرے کوئی اور گناہ کسی کے بخشے جائیں ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی آجتک ایسا نہیں ہوا ۔
کہ ایک شخص کے سر درد ہو اور دوسرا اپنے سر میں پتھر مارے اور وہ جو کہ سر درد میں مبتلا تھا بیماری
سے شفایاب ہو پھر ہم کس طرح یقین کر سکتے ہیں ۔ کہ مسیح نے دنیا پر رحم کھا کر اپنے آپ کو قربان
کر دیا اور دوسروں کے گناہوں کو اپنے سر لے لیا ۔ اور وہ جو کہ قادرِ مطلق تھا اور خدا کا اکلوتا بیٹا تھا ۔
ایک دن اسپر ایسا بھی آیا کہ وہ اپنے باپ سے تعلق توڑ بیٹھا اور اس قادرِ مطلق کا انکار کر دیا جس
کی طاقت اور جلال کا وہ سب سے زیادہ واقف تھا ۔ کیونکہ لعنت کا یہی مفہوم ہے اور اگر توریت ہمکو ایسی نظیر
بتاتی تو کچھ بات بھی تھی مگر بجائے اسکے کہ توریت کفارہ کی کوئی نظیر بتائے وہ الٹی اسکی منکر ہے
کیونکہ پیدائش باب ۴۴ آیت ۱۶ و ۱۷ میں لکھا ہے ۔ کہ ”یہودا بولا کہ ہم اپنے خداوند سے کیا کہیں اور
کیا بولیں اور کیونکر اپنے تئیں پاک ٹھہراویں کہ خدا نے تیرے چاکر کی بدکاری ظاہر کی دیکھ کہ ہم
اور وہ بھی جس پاس سے پیالہ نکلا اپنے خداوند کے غلام ہیں ۔ وہ بولا خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں
یہ شخص جس پاس سے پیالہ نکلا وہی میرا غلام ہوگا ۔ اور تم اپنے باپ کے پاس سلامت جاؤ“
اسجگہ حضرت یوسف اپنے بھائی کو ایک پیالہ کی چوری کا ملزم ٹھہراتے ہیں (یہ سمجھنا چاہیے

کہ کہیں درحقیقت حضرت یوسف کے بھائی نے چوری کی بلکہ پیالہ حضرت یوسف کے غلاموں سے غلہ کی بوری میں رکھا گیا تھا) اور اُنکے دوسرے بھائی اپنے آپ کو انکے پاس ایک قیدی یا غلام کے طور پر پیش کرتے ہیں مگر وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں اور اگر کفارہ جائز ہوتا تو حضرت یوسف کے بھائی جواب دیتے کہ جب خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا کی خاطر قربان کر دیا اور اس بیٹے کی قربانی کو قبول کیا تو کیا وجہ کہ ہماری قربانی اپنے بھائی کی بدلے رد کی جائے - اور خود حضرت یوسف جو کہ نبی تھے یہ فقرہ زبان پر نہ لاتے - کیونکہ خدا نہ کرے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ایک کے بدلے دوسرے کو پکڑنا شریعت کے لحاظ سے ناجائز تھا - اس لئے حضرت یوسف فرماتے ہیں کہ خدا نہ کرے کہ مجھ سے ایسا برا فعل سرزد ہو - اسجگہ کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی اپنے بھائی کے بدلے میں اپنے آپ کو غلام نہیں قرار دیتے بلکہ وہ اپنے آپ کو اُسکے ساتھ پکڑواتے ہیں - مگر حضرت یوسف کے جواب پر غور کرنے سے یہ بات اسپر کھل جائیگی کہ اُنکا اصل مطلب یہی تھا کہ انہیں سے ایک رکھا جائے - اور چھوٹا بھائی چھوڑ دیا جائے اور پھر اس گفتگو میں یہودا کا آگے چلکر آیت ۳۳ میں یہ کہنا کہ "اب مجھے اجازت دیجئے کہ تیرا چاکر جوان کے بدلے اپنے خداوند کی غلامی میں رہے اور جوان کو اُسکے بھائیوں کے ساتھ جانے دے" صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسکے بدلہ میں قید کروانا چاہتا تھا - مگر حضرت یوسف نے صاف جواب دیا اور اسکو ایک گناہ قرار دیا - پس جبکہ کفارہ شریعت میں ناجائز تھا اور نبی اسکو ایک گناہ ٹھہراتے تھے تو کیونکر یہ مانا جائے کہ حضرت عیسیٰ سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ انکے کفارہ پر ایمان رکھتے تھے - یا کفارہ پر بھی ہم کس طرح یقین کریں جبکہ شریعت موسوی اسکو ناجائز ٹھہراتی ہے جس شریعت پر چلنے کا فخر خود حضرت عیسیٰ کو تھا - پھر ان دلائل کے علاوہ ایک بات ایسی زبردست ہے کہ جسکو خیال میں لا کر ہم ایک دم کے لئے بھی حضرت عیسیٰ کو خدائی کا منصب نہیں دیسکتے یا دوسرے الفاظ میں ہم قطعاً یہ وہم بھی نہیں کر سکتے کہ عیسائی مذہب سچا ہے - اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی قبر سرینگر کے خانیار محلہ میں معلوم کی گئی ہے - اور انجیل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر مرے نہیں بلکہ اُس پر سے زندہ اتار لئے گئے تھے - اور تاریخی شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی گئی ہے - کہ وہ

سرینگر میں آئے اور وہاں آکر فوت ہوئے جسکی گواہی خود سرینگر کے باشندے بھی دیتے ہیں اب ہم نے مختصر سے دلائل اسبات کے دیدئے ہیں - کہ آیا عیسائی مذہب سچا ہے یا نہیں - یا کہ اس کا خدا اس قابل ہے کہ ہم اس سے محبت کریں یا نہیں - اور ان دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے انسانی تصرفات اس مذہب میں جگہ رکھتے ہیں اور یہ اس قابل نہیں رہا کہ خدا کی تلاش کرنے والا آدمی اس سے کچھ فائدہ اٹھائے اس لئے اب ہم یہودیوں میں خدا کی تلاش کرتے ہیں کہ شاید ہمکو وہ خدا ملے جس سے کہ ہم محبت کریں اور وہ ہماری محبت کا بدلہ دے اور اس قابل ہو کہ ہم اس سے تسلی پائیں - جو کہ آفات اور مشکلات کے وقت اپنے بندوں کی دستگیری کرے - مگر افسوس کہ اس مذہب کی طرف ایک ہی قدم اٹھا کر ایک مایوسی سی ہو جاتی ہے اور طالب حق جو کہ حق اور اصلیت کی تلاش میں دن رات سرگردان و پریشان رہتا ہو اور جسکو فکر اور غم اس لئے گھیرے رہتے ہوں کہ کیسطرح اسکو وہ خدا ملے کہ جسکی محبت سے اس کا دل پاک ہو جائے اور یہ ایک سُکھ اور چین کی زندگی پاوے - گھبرا اُٹھتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ یہ کیسا مذہب ہے - کہ جسکے پیروان خدا کے تعلق اور اسکے راستہ کی ہدایت کو اپنے لئے ہی مخصوص سمجھتے ہیں - ناظرین کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سوائے ہمارے نجات کسیکو نہیں ملسکتی اور یہ کہ اور کوئی شخص اگر ہم میں داخل ہونا چاہئے تو اسکے لئے یہ دروازہ قطعاً بند ہے - اور ایسا ممکن نہیں کہ کوئی شخص توریت اور حضرت موسیٰ پر ایمان لاکر یہودیوں کے زمرہ میں داخل ہو جائے اگر کوئی شخص یہودیوں میں داخل نہیں ہو سکتا تھا تو چاہئے تھا کہ کوئی اور طریقہ بھی نکالا جاتا کہ جس سے دنیا دائمی عذاب اور ہمیشہ کے لئے لعنت سے بچ جاتی مگر نہیں شاید خدا تعالیٰ کا یہودیوں سے رشتہ ہے کہ نجات سوائے انکے اور کسیکو مل ہی نہیں سکتی - اس نجات کا فائدہ ہی کیا ہوا کہ سوائے ایک فرقہ کے اور کسی کو نہ ملے باقی تمام فرقہ اور تمام قومیں باوجود اقرار کرنے کے کہ یہودی مذہب سچا اور خدا کی طرف سے ہے اسبات سے محروم رہیں کہ وہ خدا کی محبت کی لذت اٹھائیں - پھر جبکہ یہودیوں پر ہی نجات کا ملنا نہ ملنا منحصر ہے - تو جزا و سزا اور حشر و نشر وغیرہ بالکل بیہودہ اور لغو ہو جاتے ہیں - اور اسی لئے یہودیوں کے بعض فرقہ بالکل انکار کر بیٹھے ہیں کہ کبھی جزا و سزا کا کوئی دن آویگا - اور انہوں نے یہی نہیں کیا کہ جزا و سزا کا ہی انکار کریں - بلکہ ان کے خیال

ہیں مذہب کوئی چیز نہیں صرف کچھ قوانین ہیں تا کہ بنی نوعِ انسان میں انتظام قائم رہے پس ایسے لوگونکا ذکر کرنیکی کوئی ضرورت نہیں جنہوں نے مذہب کو ایک معمولی قوانین کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں کبھی کوئی سلطنت اس دو ہزار سال کے عرصہ میں رہ ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس عرصہ کے درمیان کوئی یہودی سلطنت ہوئی ہی نہیں۔ پھر یہ انتظام جو ہے تو کیونکر قائم رہا اور اگر یہ کہیں کہ عیسائی بھی توریت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکی سلطنت یہودیوں کی سلطنت ہی ہے۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ انکو تو بزعم خود کسی شریعت کی ضرورت ہی نہیں اور انکو اجازت ہے کہ سوائے چند باتون کے جو کہ حواریونکی کونسل نے قرار دی ہیں اور سب کام کریں اور جس طرح دل چاہے عمل کریں ان کے گناہون کا بوجھ تو بیچارے مسیح کی گردن پر رکھا گیا ہے اور یہ بلکل آزاد ہیں پھر عیسائیون کی سلطنت کو اپنے اصول کے مطابق سمجھنا خلاف واقع ہوگا۔ اور اسکے علاوہ عیسائی سلطنتیں کہیں قصور معاف کرتی ہیں تو کہیں سزا دیتی ہیں حالانکہ توریت میں ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ لو تا کہ دنیا عبرت حاصل کرے۔ پس عیسائی سلطنتوں کو اپنے میں شامل کرنا تو کسی طرح بجا ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں بغیر تعلیم موسوی کے بھی انتظام چلسکتا ہے۔ اور دوسری قومیں بھی اس قابل ہیں کہ وہ بغیر توریت کی مدد کے دنیا کا انتظام چلا دیں۔ پس ہم اب ان فرقون پر نظر ڈالتے ہیں۔ جو کہ جزا و سزا کے قائل ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے۔ جبکہ خدا تعالےٰ کے روبرو لوگ اپنے اعمال کا حساب دینگے اور وہ کام جو کہ انہوں نے دنیا میں کئے ہونگے انکا بدلہ انکو ملیگا مگر یہاں پھر یہ اعتراض آتا ہے۔ کہ جب یہودیون کے لئے نجات لازم ہے اور دوسرون کیلئے حرام تو جزا و سزا کے دن کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ جزا و سزا اس لئے ہے۔ کہ وہاں بھلے اور برے میں فرق کر کے دکھایا جائے اور ظاہر کیا جائے کہ فلان نے بہت عمدہ کام کیا اور فلان نے بہت برا اور اس لئے اسکو جو کہ نیک اور شریف تھا خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ یہ انعام دئے جاتے ہیں اور وہ جو کہ بد تھا اور برائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہ سزا دی جاتی ہے۔ مگر یہاں تو یہ بات ہی نہیں۔ کیونکہ یہودیوں کے لئے

نجات لازم ہوئی اور دوسرے کے لئے حرام پھر کیا ضرورت تھی کہ حشر و نشر کا دن مقرر کیا جاتا اور پھر خدا تعالیٰ کا نعوذ باللہ یہ سخت ظلم ہے کہ اس نے ایک شخص کو یہودیوں میں پیدا کیا اور دوسرے کو نہیں اور باوجود اسکے کہ وہ یہودی نیک اعمال بھی نہیں کرتا اور یہ دوسرا آدمی چاہتا ہے کہ میں یہودی فرقے میں داخل ہو کر نجات پاؤں۔ مگر وہ جو یہودی ہے مفت میں نجات حاصل کرتا ہے اور وہ جو کہ کسی اور گروہ سے ہے بلا گناہ کے مارا جاتا ہے اگر خدا تمام دنیا کو یہودی پیدا کرتا تو تو بھی بات تھی کہ اُس نے تمام انسانوں کو یہودی پیدا کیا تھا۔ مگر ایک نے اپنی بداعمالی کی وجہ سے سزا پائی اور دوسرے نے نجات مگر یہاں تو گویا کہ دھکے دے کر نبی نوع انسان کو نجات اور محبت الٰہی سے خارج کیا گیا ہے۔ قیامت کے دن اگر ایک انسان کہے کہ میں تو یہودی مذہب قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ مگر اے خدا تو نے اور تیرے جانشینوں اور حاکموں نے مجھ کو ایسا کرنے سے باز رکھا تو اس وقت خدا تعالےٰ کیا جواب دے سکتا ہے سوائے اسکے کہ میری مرضی ہیں جسکو چاہوں دوزخ میں ڈالوں اور جسکو چاہوں بہشت عطا کروں۔ مگر یہ وہ جواب نہیں ہو سکتا کہ جس سے ایک طالب حق کی تسلی ہو سکے۔ اور اس صورت میں یہودیوں کے مذہب اور اسکے خدا کی مثال اس کنوئیں کی سی ہوگی جسپر ایک شخص کھڑا ڈول نکال رہا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جو پیاسا ہے اس طرف آئے تاکہ میں اسکو شیریں اور ٹھنڈے پانی سے سیر کروں اور اس گرمی کی شدت اور سختی سے بچاؤں جو کہ سورج کی گرم ، ، ، ، اور جھلس دینے والی دھوپ سے پہنچ رہی ہے مگر جب ایک پیاسا جو کہ کئی کوس کا سفر کرتا ہوا۔ اور ریتیلے میدان اور دھوپ کی گرمی سے تکلیف اٹھاتا ہوا آیا اور اسنے اس کنوئیں پر کھڑے ہوئے شخص کی آواز کو سنکر اور اسکے کلمات سے تسلی پا کر اس سے کچھ پانی مانگا۔ تو اُسنے اس آفت زدہ مسافر کو جھڑک دیا کہ جا اپنا راستہ لے۔ کیونکہ یہ پانی تیرے لئے نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو کہ سامنے اس بڑے گھنے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہیں اور جو کہ شیریں اور سرد چشمہ کا پانی اچھال رہے ہیں۔ اور بے فکری اور خوشی انکے چہرہ سے عیاں ہیں۔ پس کیا کوئی شخص اُس شخص کو عقلمند کہے گا جس نے کہ ایک پیاسے آدمی

کو تھوڑا سا پانی دینے میں دریغ کیا تا کہ وہ پیاس کی شدت کو رفع کرے اور اُن لوگوں کو ایک ڈول دینا چاہتا ہے جو کہ خود ایک چشمہ میں پاؤن ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں اور درخت کا سایہ اُن کو دھوپ کی شدت سے بچا رہا ہے پس دیکھو کہ وہ کنوان تو وہ تعلیم ہے جو کہ یہودیون کا خدا دیتا ہے اور وہ شخص جو پانی نکال رہا ہے۔ وہ خود خدا ہے جو کہ نجات کے لئے لوگون کو پکار رہا ہے اور وہ لوگ جو سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہیں اور چشمہ میں پاؤن ڈالے بیٹھے ہیں یہودی ہیں جو کہ یہودی ہونے اور نبی اسرائیل میں پیدا ہونیکی وجہ سے خوش ہیں۔ اور عذاب آخرت سے بے فکر ہیں اور وہ جو کہ دور سے پانی مانگتا آتا ہے اور جسکو پیاس کی شدت سے سخت تکلیف ہے ان لوگون میں سے ہے جو کہ دوسرے مذہبون قومون اور فرقون سے تعلق رکھتے ہیں اور جو کہ (خدانخواستہ) یہودیون کی تعلیم ہی سچی سمجھکر اور پیاس کو بجھا دینے والی سمجھکر آیا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھکو بھی وہی تعلیم تلقین کی جائے مگر آگے سے صاف جواب ملتا ہے کہ نہیں یہ تو انہی لوگون کے لئے ہے جنکو پہلے سے ہی یہودیت کا جامہ پہنایا گیا ہے پس اس صورت میں کیسا باطل ہو جاتا ہے...... یہ دعویٰ کہ نجات حاصل کرنیکا یہی وابستہ ہے اور یہی وہ پیالہ ہے جسکے پینے سے محبت کی آگ تسکین پکڑتی ہے کیونکہ جب ایک گمراہ اور ایک پیاسا ہدایت پانا اور پیاس کی شدت سے بچنا چاہیں تو صاف جواب دیا جاتا ہے کہ پہلے یہودیت کا یعنی نبی اسرائیل ہونیکا سارٹیفکٹ دکھاؤ اور پھر نجات ملیگی اُس تعلیم کا فائدہ ہی کیا ہے جو کہ عالمون کو دی جائے اور کس کام کی ہے وہ نجات جو کہ نجات یافتون کو ملے۔ پس یہ عقیدہ عیسائیون کے کفارہ کی طرح اس قابل نہیں کہ جسکو کوئی عقلمند باور کر سکے یا کوئی حق کا طالب جس سے تسلی پا سکے بلکہ فوراً خیال اس طرف جاتا ہے کہ ضرور اس تعلیم میں کوئی ایسا نقص ہے کہ جسکو چھپانے کے لئے نجات کا دروازہ صرف یہودیون پر ہی کھولا گیا ہے اور مخالفونکی نظرون...... سے پوشیدہ رکھا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انکی کمزوریان دوسرون پر کھل جائیں۔ اب ہم یہودیون کی تعلیم پر کچھ روشنی ڈالنی چاہتے ہیں مگر اس کے پیشتر اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ خدا تعالٰے کی ذات کے متعلق بھی اگرچہ یہودی صاف طور سے نہ کہیں مگر انکے عقاید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی حد تک یہ خدا تعالٰے کے جسم

کے قائل ہیں جیسا کہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کر کے ساتویں دن آرام کیا اور
آرام کرنیکے لئے جسم کی ضرورت ہے کیونکہ تھکاوٹ کے بعد ہی آرام ہوتا ہے اور تکلیف
کے بعد ہی راحت کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم اسکو مان لیتے اگر اسکے یہ معنے ہو جاتے کہ یہ ایک
استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مگر قرآن شریف نے انکار کیا ہے اور فرمایا ہے۔
کہ خدا نے زمین و آسمان کو بنایا اور تھکا نہیں جس سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسوقت
یہود کا مذہب یہی تھا کہ خدا درحقیقت تھک گیا۔ اور اُس کو آرام کی حاجت ہوئی اور یہود نے اس
کا انکار نہیں کیا کہ ہم تو کسی تھکاوٹ کے قائل ہی نہیں اور یہ ہم پر تہمت لگائی گئی ہے۔ بلکہ وہ
خاموش رہے اور اس سے ثابت کیا ہے کہ ہم اس عقیدہ کو درحقیقت سچا سمجھتے ہیں۔ پس ایسا
خدا جو خود تھک جاتا ہے ہماری محبت کا کیا بدلہ دے سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ دنیا کے انتظام
سے ہی تھک جائے اور دوزخ بہشت سب کو فنا کر دے اور اس طرح وہ جو کہ گنہگار ہیں۔
فایدہ میں رہے کہ اس دنیا میں بھی عیش کرتے رہے اور آگے بھی کوئی پرسش نہ ہوئی اور
وہ نیک اور صالح آدمی جو کہ تمام عمر خدا تعالےٰ کی محبت کے لئے بڑے بڑے مجاہدات کرتے
رہے بے بدلہ کے چھوڑ دئے جائیں اور انکی تمام محنتیں برباد ہو جائیں۔ غرضیکہ یہ مسئلہ انسانی
سمجھ سے بالا ہے اور اس لئے ہم اس پر بیفائدہ خامہ فرسائی نہیں کرنا چاہتے۔ اور چاہتے ہیں
کہ اب ہم یہودیوں کی تعلیم کو دیکھیں کہ وہ کیسی ہے شاید وہی کچھ ایسی تسلی بخش نکل آئے کہ
باقی سب دھبے مٹ جائیں۔ مگر افسوس کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے
کیونکہ وہ انسانی فطرت کے برخلاف ہے کیونکہ حکم ہے کہ جو کوئی تمہارا دانت توڑے تو تم اس
کا دانت توڑ دو اور اگر کوئی تمہاری آنکھ پھوڑے تو تم انکی آنکھ پھوڑ دو اور اسی طرح یہ کہ اگر کوئی
تمہارا آدمی مار دے تو تم اسکو مار دو یا دیت لو اور تمام امور میں عفو کا کہیں نام بھی نہیں حالانکہ انسانی
فطرت میں ہے کہ بعض دفعہ ایک انسان ایک گنہ کو معاف کر دیتا ہے تو دوسرے وقت میں
کسی مصلحت کے لئے کسی گناہ کی سزا بھی دیتا ہے۔ اور اگر یہودیوں کی تعلیم پر عمل کیا جائے تو ایک
دن میں ہی دنیا کا کام تمام ہو جائے یعنے ملک میں طرح طرح کے فساد اور بیسیوں بغاوتیں پھوٹ
پڑیں اور کوئی گورنمنٹ یا حکومت نہ ہو کہ جسکی رعایا اس قاعدے سے تنگ آکر مقابلہ پر کمر

نہ باندھے۔ اصل میں یہ بات ہے کہ یہ قوانین وقتی تھے اور ایک قوم کیلئے محدود تھے ۔ ۔ ۔ ۔
اس لئے اُن کو تمام دنیا پر حاوی کرنا سخت نادانی ہے اور پھر اگر یہودی بننے کا دروازہ کھلا ہو۔ تو
اسباب پر بحث کی جائے اور اچھی طرح ثابت کیا جائے کہ وہ کوئی اور ہی زمانہ تھا۔ کہ جب یہ تعلیم
پھیلائی جاتی اور قابل عمل سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اب دنیا کے حالات بدل گئے ہیں اور دنیا میں علم اور
سائنس کے بڑھ جانے ریلوں کے جاری ہونے اور تار کے پھیلنے سے لوگوں کا دستور العمل
اور طریقہ معاشرت بھی بدل گیا ہے پس اس زمانہ میں یہ تعلیم ایک بوسیدہ عصا سے زیادہ
وقعت نہیں رکھتی کہ جسکو زور سے زمین پر مارنے سے کھل جاتا ہے کہ اس کے اندر سوائے
کچھ کرم خوردہ بورے کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر مکالمہ و مخاطبہ الہام یا وحی جو کچھ بھی اسکو
کہیں یہ ایک فرقہ کی کامل سچائی کی دلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک
فرقہ کی بہت سے افراد الہام الٰہی سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ
نصرت الٰہی بھی شامل ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اس سلسلہ کے ساتھ خدا تعالےٰ کا سچا تعلق
ہے جو اوروں کے ساتھ نہیں اور ضروری اور یقینی ہوگا۔ کہ وہ سلسلہ خدا تعالےٰ کی طرف
سے ہو۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی نصرت اور اس کا کلام کبھی جھوٹے اور مفتری انسان یا گروہ کے
شامل حال نہیں ہوتا۔ اور اسباب کی بحث ہم اگلے حصے میں کرینگے کہ آیا الہام ضروری ہے یا نہیں
اور اس وقت صرف مجملاً بیان کرتے ہیں کہ الہام ایک بڑی شہادت ہے کسی مذہب کے سچا
ہونے یا نہ ہونے پر مگر یہودی اور عیسائی اس سے محروم ہیں جس معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دینی جسم اب
الہام یا دوسرے الفاظ میں سچائی کی روح سے خالی ہے اور اس قابل نہیں کہ ہماری تسلی کر سکے
کیونکہ جب ہم محبت کرینگے تو فطرتاً ہمارے دلمیں محبوب سے کلام کرنے کا شوق بھی پیدا ہوگا۔
اور اگر وہاں سے کوئی جواب ہی نہ ملے تو کیا کیا بدظنیاں ہمارے دل میں پیدا نہ ہونگی۔ پس ہماری تسلی
کے لئے یہ موجودہ یہودی مذہب تو کافی نہیں ہو سکتا۔

اور اس لئے اب ہم ہندو مذہب پر نظر ڈالتے ہیں۔ یا یہ کہو کہ ہم سناتن دھرم کی طرف توجہ
کرتے ہیں۔ مگر ہم اول یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مذہب کے پیروان کے نزدیک یہ مذہب
اس وقت سے چلا آیا ہے جبکہ یہ موجودہ دنیا پیدا ہوئی اور انکے خیال کے بموجب یہ میشور نے

اپنا کلام چار رشیوں پر اتارا اور انکو الہام سے مستفیض کیا مگر اسکے بعد الہام کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا اور اب خواہ کوئی کتنا سر پٹکے لیکن ممکن ہی نہیں کہ وہ دروازہ کھولا جائے۔ پھر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بتوں کی پرستش کے سوا پرمیشور کا ملنا محال ہے اور پھر یہ کہ تناسخ ہمیشہ انسان کے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اور ایک انسان کبھی گائے کی شکل میں اور کبھی کتے کی شکل میں اس دنیا میں بار بار آتا ہے۔ اب ہم جدا جدا ان مسائل پر نظر ڈالتے ہیں اول یہ کہ وید سب سے قدیم ہے اس کی تعلیم مکمل ہے اور پھر الہام کی ضرورت نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وید کا قدیم ماننا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ سب سے پرانے وید کی عمر جو ہے تو وہ تین سوا تین ہزار سے زیادہ نہیں کیونکہ وید کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کا لکھا ہوا ہے جبکہ آریہ ہندوؤں کو ہندوستان کے اصلی باشندوں سے مقابلہ اور جنگیں پیش آئی ہیں کیونکہ اس میں دعائیں ہیں کہ یا الٰہی ہمکو فتح دے اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل کر اور ہماری گائیں زیادہ دودھ دیں پس یہ کوئی بڑا عرصہ نہیں ہے بلکہ اگر چار ہزار سال بھی مان لیں تب بھی حضرت نوح کے بعد کا زمانہ ہی ہے اور اس طرح ہندوؤں کا یہ دعویٰ کہ ہم اور ہماری کتابیں قدیم سے چلے آتے ہیں بالکل غلط ٹھہرتا ہے ہم مثال کے طور پر یہاں چند منتر نقل کرتے ہیں جن سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ درحقیقت وید میں کیا ہے اور کس زمانہ کا ہے۔ رگ وید۔ انو کا سکت میں اسطرح لکھا ہے کہ "اے ہم تیری جو ہمارا دوست ہے اور جسکو سب فوقیت دیتے ہیں اور سب بلاتے ہیں منت کرتے ہیں تاکہ تو اے گھروں کی حفاظت کرنے والے اپنے پوجاریوں پر مہربان ہو۔"

پھر آگے چلکر اسی میں ہے کہ وہ پس اے اندر جو ہمارے بہتری میں راضی ہوتا ہے ایسا کر کہ ہمیں خوراک با افراط ملے اور مضبوط اور بہت دودھ دینے والی گوئیں ہمارے ہاتھ آویں جنکے باعث سے ہمیں خوشی نصیب ہو"

پھر انو کا بارہ سکت نویں ہے "وہ ایسا ہو کہ اگنی تیرے دولتمند تمہاری بہت خوراک حاصل کریں ایسا ہو کہ وہ بہ بادان جو تیری مہما کرتے ہیں۔ اور تجھے جماتے ہیں ان کی عمر دراز ہو ایسا ہو کہ ہم لڑائیوں میں اپنے دشمنوں سے لوٹ حاصل کریں اور دیوتا کا بھاگ

انہیں نظر کریں"۔

ان تین منتروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کس زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ گائیوں کی زیادتی کی دعا۔ گھروں کی حفاظت کی دعا۔ عمروں کی ترقی کی دعا۔ اور دشمن پر فتح پانے کی دعا صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت کا لکھا ہوا ہے جبکہ آریہ ہندو وسط ایشیا کو چھوڑ کر ہندوستان میں آئے تھے اور یہاں کے اصل باشندوں سے ان کی جنگیں رہتی تھیں جو باشندے کہ اب تک بھی کہیں کہیں ہندوستان میں موجود ہیں۔ اور پھر منو کے دھرم شاستر میں جو قوانین مقرر کئے گئے ہیں کہ اس طرح ہمیں رہنا چاہئے اور ہم میں سے فلاں فلاں قوم سے یہ یہ حقوق ہونے چاہئیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت تک ہندوؤں میں سوشل قانون نہ تھے جنکے بغیر کوئی فاتح طاقت یا حاکم قوم کبھی رہ ہی نہیں سکتی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریہ ہندوں کا زمانہ یا وید کا زمانہ منو کے قریب قریب کا زمانہ ہی ہے پس اسطرح بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وید سب سے پہلی یا ازلی کتاب نہیں ہے بلکہ کئی کتابوں کے بعد کی ہے اور ایک محدود زمانہ رکھتی ہے پس مدعی کا یہ دعویٰ کہ یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسکے بعد الہام کی کوئی حاجت نہیں بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ پہلی کتاب تو اس لئے نہیں کہ اس زمانے سے پہلے جبکہ وید کا دنیا میں نزول ہوا یا یہ کہو کہ وید لکھا گیا ہے کئی اور قومیں اور نسلیں بڑی بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کر چکی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مذہب کی پابند ہوں کیونکہ ان کے لئے بھی پرمیشور نے کوئی طریقہ تو ہدایت اور رہنمائی کا رکھا ہی ہوگا اور اگر ان کی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب یا صحیفہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا تھا تو اس طرح خدا سخت ظالم ثابت ہوتا ہے کہ جس نے باوجود اس کے کہ ایک گروہ کو پیدا کیا زبان دی طاقت دی اور دنیا پر اختیار دیا مگر وہ راستہ جو اسکی طرف رہنمائی کرتا تھا انکو نہ بتایا اس دنیاوی زندگی کے لئے جو کہ چند روزہ ہے ہر طرح کے آسائش کے سامان ان کے لئے مہیا کئے گئے۔ مگر اس دائمی زندگی کے لئے اور اس دائمی عیش کے لئے جو کہ مرنے کے بعد انسان کو مل سکتا ہے کوئی طریقہ یا قاعدہ مقرر نہ کیا گیا اور انسان کو وحشی جانور کی طرح زمین پر چھوڑ دیا کہ زمین میں پھرے اور سوائے کھانے

پینے کے اور کسی کام سے سروکار نہ رکھے - مگر چونکہ ہندون کا یہ عقیدہ ہے کہ پرمیشور ظالم نہیں اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ ان لوگون کے لیئے بھی ہدایت کی کوئی راہ مقرر کی گئی تھی پس ہم یہی ثابت کرنا چاہتے تھے اور جب یہ ثابت ہوا تو معلوم ہوا کہ وید سے پہلے بھی کوئی کتاب تھی جس سے دنیا کی رہنمائی کی جاتی تھی - پس ہندون کا یہ عقیدہ کہ پرمیشور ایک ہی دفعہ بولا اور اس کی طرف سے ایک ہی کتاب ہے یعنی وید خود انکے اپنے عقیدے کے رو سے باطل ٹھہرتا ہے - پھر اگر یہ کہا جائے کہ پرمیشور پہلے تو بولتا تھا - لیکن وید چونکہ مکمل کتاب تھی اس لئے آخر پھر بولنا اور کسی کو اپنے کلام سے مستفیض کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ خدا کوئی لغو بات تو کرتا ہی نہیں پس جب ضرورت نہ رہی تو اسنے کلام کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا - مگر یہ بات بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ وید کی اصلاح کی ضرورت ہوئی اور اس لئے منو کا دہرم شاستر بنایا گیا - اور بفرض محال ضرورت نہ بھی پڑی ہو تو بھی تو ضرورت نہیں کہ خدا تعالٰے کلام نہ کرے اور چپ ہو کر بیٹھ جائے جب ایک وقت بولتا تھا تو اب کیون نہیں بولتا - مانا کہ تعلیم پوری ہو گئی مگر ایک عاشق جو کہ دن رات اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اپنے معشوق یا محبوب سے کلام کرے اس کا بھی تو کچھ حق ہے کہ وہ اس تڑپ کو دور کرنیکا جو کہ اسکے دل میں بار بار پیدا ہوتی ہو کوئی ذریعہ حاصل کرے پس اگر کچھ نہیں تو اس بیقرار کو ہی جو کہ پرمیشور کے بدلے اپنا مال اسباب - جان اور عزت و آبرو تک قربان کر کے جنگل بہ جنگل پھر رہا ہے اپنی آواز سنایا کرے تاکہ اس کے دل کو تسلی ہو اور وہ اس محبت میں جو کہ خالص اسی کے ساتھ رکھتا ہو اور بھی ترقی کرے اور نہ صرف یہی بلکہ دوسرے لوگون کی تسلی کا بھی باعث ہو - کیونکہ جب لوگ دیکھینگے کہ خدا تعالیٰ ایک آدمی سے کلام کرتا ہے تو انکے دل میں اس کی ہستی کا کامل یقین ہو جائیگا اور وہ خود بھی کوشش کرینگے کہ ہم بھی اس آدمی کی طرح خدا تعالٰے سے محبت کر کے یہ رتبہ حاصل کریں - پس یہ بات نہ صرف ایک بے قرار محبت کی تسلی کا باعث ہو گی بلکہ لوگون کی ترقی ایمان اور خدا تعالٰے سے محبت کرنے کی خواہش کا ذریعہ بنیگی جس سے کہ خدا تعالٰے کی وہ غرض بھی پوری ہو جائیگی جو کہ اس نے انسان کے

پیدا کرنے میں رکھی تھی پس تعلیم کا پورا ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ الہام و وحی کا سلسلہ بھی بند کیا جائے بیشک شریعت ختم سمجھی جائیگی - لیکن خدا تعالےٰ سے کلام کرنیکی خواہش جو کہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے کبھی بھی رُک نہیں سکتی - کیونکہ ہمیشہ محب یعنی محبت کرنے والا اس بات کو چاہتا ہے کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں کسی طرح اُس کا حال بھی مجھکو معلوم ہو کہ وہ مجھکو چاہتا ہے یا نہیں - اور اس بات کے دریافت کرنے کے لئے وہ ہر طرح کی کوشش کرنے کے لئے تیار رہتا ہے مگر اہل ہنود کے مذہب میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی گئی ہے جس سے کہ محب محبوب کی محبت کو دریافت کرسکے اور اس طرح گویا کہ کل عاشقوں کا خون کیا گیا ہے جو کہ اپنی جانیں اس بات کے لئے قربان کر دیتے ہیں کہ کسی طرح محبوب ہم پر ایک نظر ڈالے اور جبکہ ان کو تسلی ہی نہ ہو گی کہ پرمیشور ہماری محبت کو جانتا ہے یا نہیں تو انکو دل کس طرح قرار پائینگے اور وہ کوشش جو کہ خدا تعالےٰ کی محبت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں کس طرح جاری رہ سکیگی جبکہ انکو معلوم بھی نہ ہوگا کہ ہماری کوشش کہانتک بار آور ہوئی یا کس حد تک اسکے کامیاب ہونیکی امید ہے اور اس صورت میں تھوڑی مدت کے بعد عاشقوں کے دل کھٹے ہو جائینگے اور طرح طرح کے خیالات اور وساوس میں پڑ جائینگے یہانتک کہ خود اُس ہستی سے ہی انکار کر بیٹھینگے - جیساکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوں میں کثرت سے خدا کا انکار پایا جاتا ہے جیساکہ آریہ جینی ناستک مت وغیرہ وغیرہ میں اس وقت آریہ کا لفظ پڑھکر ناظرین تعجب کرینگے کہ ان کا نام دہریوں یا خدا کی ہستی کا انکار کرنیوالوں کی فہرست میں کیوں لایا گیا ہے - کیونکہ یہ خدا کا انکار نہیں کرتے بلکہ اقرار کرتے ہیں - مگر میں آگے چلکر انشاء اللہ آریوں کے بیان میں ثابت کرونگا - کہ آریہ درحقیقت خدا کا ہی انکار کرتے ہیں - اور دہریت کے پھیل جانے کے علاوہ جو لوگ خدا پر ایمان بھی لادیں وہ بھی اس یقین اور معرفت کے ساتھ خدا کو کب مان سکتے ہیں جیساکہ وہ جنکے سامنے ہر وقت ایسے لوگ موجود ہیں جن سے کہ خدا ہمکلام ہوتا ہے - کیونکہ - شنیدہ کے بود مانند دیدہ - ان کو کیا معلوم کہ کسی .. زمانہ میں کچھ رشی گزرے تھے اور ان سے کلام بھی کیا گیا ہے - لیکن اب وہ سلسلہ قطعًا بند کیا گیا

ہے اور جو کہ اس بات پر کچھ بھی غور کرینگے ان کے دل میں فوراً یہ شک گذریگا کہ کہیں یہ رشیوں کا ہونا اور اُن سے خدا کا کلام کرنا ان قصوں میں سے تو نہیں جو کہ بچوں کے بہلانے کیلئے بنائی گئے ہیں کیونکہ اگر یہ سچ ہوتا کہ خدا کسی سے کلام بھی کرتا ہے تو آج کل بھی کسی سے کرتا یا کم سے کم کسی تاریخی زمانہ میں اس کی شہادت پائی جاتی۔ مگر ایسا نہیں اس لئے ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ اور ایسے شکوک کو رفع کرنے کیلئے اور دنیا پر اپنا نام ثابت کرنے کیلئے پرمیشور کو ضروری تھا کہ وہ کچھ بندوبست کرتا مگر افسوس کہ ہمیں کوئی ایسا ذریعہ نہیں آتا جس سے کہ ہم اس اعتراض کو مٹا سکیں اور اگر کوئی ہے اور اب بھی کوئی ایسا انسان دنیا میں موجود ہے۔ جس سے خدا کلام کرتا ہے تو امید ہے کہ کوئی ہندو مہاشہ ہمیں اس سے انٹرڈیوس کرائینگے اور دنیا پر ایک بڑا احسان کرینگے کہ آجتک مخالف جس بات کا رونا رو رہے تھے اور بار بار اعتراض کرتے تھے کہ الہام الٰہی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے وہ غلط ہے اور ہندوؤں میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کہ رشیوں کی طرح خدا سے اس قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ ثابت کرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ یہ ثابت کرنا کہ تین ایک ہے اور ایک تین پس ہم دوسری بات کو لیتے ہیں اور اس بات کو کہ آیا ہم نے ہندوؤں کا سلسلہ الہام سے منقطع ہونا ثابت کر دیا ہے یا نہیں ناظرین کے انصاف پر ہی چھوڑتے ہیں اور وہ دوسری بات ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بتوں کی پرستش کے بغیر نجات کا ملنا محال ہے۔ اس عقیدہ کے رد کے لئے ہمکو کچھ بہت گہری تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم پہلے اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ کسی سوال کا آگے سے جواب ملنا ہی اس بات کا کامل ثبوت ہوتا ہے کہ وہ چیز درحقیقت اس بات کے لایق ہے۔ کہ ہماری بات کو پورا کر سکے یا ہمکو تسلی ہی دے سکے مگر بتوں کے آگے سر جھکانا اس قدر فضول ہے کہ خواہ کتنا ہی چیخیں چلائیں وہاں سے جواب باصواب ملنا تو الگ رہا انکار تک سے اطلاع دیجاتی پھر ہم کسطرح تسلیم کر لیں کہ وہ سنتے بھی ہیں۔ کیونکہ ایک چیز کا یا ایک جاندار کا بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سنتا بھی ہے مگر جب چیخنے پر بھی جواب نہ ملے تو فوراً خیال اس طرف جاتا ہے کہ ضرور اس جاندار کی یا تو زبان نہیں یا کان نہیں اور ان دونو صورتوں میں بتوں کا ابطال ہوتا ہی اگر سنتے نہیں تو انھوں نے ہمارے کام خاک کرنے ہیں اور اگر بول نہیں

جبکہ وہ خود اپنے لیئے گویائی پیدا نہیں کر سکتے تو ہمارے لیئے کیا کر سکتے ہیں اور دوسرے غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندون نے ان عجائباتِ قدرت کو جن کے سمجھنے سے انکی عقل قاصر رہی خدا یا اسکے نائب تصور کر لیا ہے اور اسی طرح بڑی اور شاندار چیزونکو بھی وہی درجہ عطا کیا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دو چیزونکو انہون نے خدا نہیں بنایا۔ بلکہ لاکھون چیزون کو قابل پرستش ٹھہرایا ہے یہانتک کہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ہندون کے تینتیس کروڑ دیوتا ہیں۔ اور کامل ثبوت سے ہمارے دعویٰ کا درحقیقت جس بات کی بڑائی ان کے دل مین بیٹھ گئی اس کی یہ پرستش کرنے لگ گئے۔ اور جو بڑا آدمی ان میں پیدا ہوا۔ اس کی انہون نے پوجا شروع کر دی یہانتک کہ انہون نے مسلمان فقیرون کو بھی اوتار مان لیا ہے اور آج ہندوستان میں کئی سو سے زیادہ ایسی مسلمانوں کی قبریں ہونگی جنکو کہ ہندو پوجتے ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ درخت جب پورانا ہو جاتا ہے۔ تو اس کی بھی یہ پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ خوبصورت پتھرون کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اور ضعیف الاعتقادی میں یہانتک بڑھ گئے ہیں۔ کہ عورت اور مرد کی شرم گاہوں تک کی پوجا کرتے ہیں۔ پس کیا یہ بات اس بات کے ثبوت کیلئے کافی نہیں کہ ہر ایک عجیب اور شاندار چیز کی یہ پرستش کرنے لگ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید اسی میں ہی خدا مل جاوے۔ جسکو اس بات پر بھروسہ نہ ہو کہ خدا کس طریقہ سے ملتا ہے تو وہ اورون کی ہدایت کا بیڑا کس طرح اٹھا سکتا ہے اور وہ کس طرح کہہ سکتا کہ خدا اس طریقہ سے ملتا ہے اور اس طریقہ سے نہیں۔ قرآن شریف نے بت پرستی کے ابطال میں ایک بہت عمدہ دلیل بیان کی ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان نے جو کہ نبی اسرائیل کے ایک بڑے بادشاہ گزرے ہیں اور اس کے ساتھ ہی خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی ہونے کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ ایک عورت کو جو کہ صبا کی شہزادی تھی اپنے پایہ تخت میں بلایا اور وہ شہزادی سورج پرست تھی (یہ پوجا ہندون میں نہایت کثرت سے جاری ہے) اور انہون نے اسکو غلطی پر ثابت کرنے کے لیئے ایک مکان بنایا اور اس میں ایسے شیشہ کا فرش کیا جو کہ نہایت صاف تھا اور اسکے نیچے سے نہر گزاری جس سے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ

گویا یہاں نہریں جاری ہیں اور بیچ میں کوئی روک حائل نہیں اور جب وہ شہزادی وہاں سے گزرنے لگی تو اس نے نہر سمجھکر اپنے پائنچے اُٹھائے مگر حضرت سلیمان نے فرمایا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے نہر نہیں جس پر اُس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا کہ میں جو . . . سورج کی پرستش کرتی تھی اس میں میری غلطی ہی تھی۔ سورج کے لئے روشنی مہیا کرنے والی ایک اور ذات ہے جس نے خود سورج کو پیدا کیا اور اس میں روشنی پھیلانے کے خواص بھی رکھی پس اسی طرح ہنود میں یہ جس قدر بت پرستی پھیلی ہوئی ہے صرف کم توجہی کی وجہ سے ہے اگر اس معاملہ میں یہ تدبیر کرتے اور پرمیشور سے دعا کرتے تو ممکن تھا۔ کہ اُن کو ہدایت ہوتی مگر انہوں نے اس معاملہ میں کچھ بھی توجہ نہ کی۔ حالانکہ اسی پر آئندہ زندگی کا مدار تھا اور موت کے بعد کا زمانہ کا اس کے مطابق آغاز تھا۔ یعنی بھلے کاموں کی جزا بھلی اور بُرے کاموں کی جزا بُری ملنی تھی۔

اب ہم تناسخ کا مسئلہ لیتے ہیں کہ جس پر ہندوں کو بڑا فخر ہے اور جس پر کہ مدت سے ہندوں اور دوسرے مذاہب میں مباحثات کا سلسلہ جاری ہے۔ تناسخ یہ ہے کہ مرنے کے بعد جس طرح انسان کام کرتا ہے اسی طرح کا اس کو بدلہ ملکر وہ دوسری دفعہ پھر پیدا ہوتا ہے اور اگر کسی نے کوئی بُرے کام کئے ہوتے ہیں تو بیل گدھا کتا وغیرہ بہت سی مختلف شکلوں میں اس دنیا میں دوبارہ لوٹ آتا ہے اور ایک مدت کے بعد جبکہ اس کے گناہوں کی پوری سزا ل چکتی ہے۔ تو پھر اسکو بہشت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اب دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اس وقت گویا کہ وہ کچھ اچھے کام کر کے اسکے بدلہ میں یہ انعام پاتا ہے اور اگر پھر وہ اچھے ہی کام کرے تو پھر اُسکو دوبارہ دنیا میں انسان کی شکل ہی میں آنا چاہئے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک زمانہ میں ہندوؤں میں ایک بہت بڑا عالم و فاضل پیدا ہوتا ہے اور اُس کے مرنے کے بعد ایک زمانہ گزر جاتا ہے مگر کوئی اس کا جوڑ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر تناسخ کا مسئلہ درحقیقت صحیح تھا تو ضروری تھا کہ ایک بڑا آدمی جو کہ اپنی ساری عمر میں ہمیشہ اچھے کام ہی کرتا رہا پھر ایک عالیشان گھرانے میں پیدا ہو اور دنیا میں اپنے ظہور سے برکتیں پھیلائے مگر مشاہدہ اسکے برخلاف ظاہر کرتا ہے جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی غلط ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ کوئی انسان

برے اعمال کرنے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا - تو یہ ماننا پڑیگا کہ سناتن دھرم نجات کے بالکل برخلاف ہے اور اس کے پیروان بیفائدہ نجات کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ تناسخ کی وجہ سے نجات کا دروازہ بلکل بند ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ تناسخ سے نجات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو کم سے کم یہ مشکل تو حل نہیں ہوتی کہ کرشن علیہ السلام کی پیشگوئی ہے کہ آخر زمانہ میں جب بدی بڑھ جائیگی گائے بکری کے برابر دودھ دیگی دس برس کی لڑکی بچہ جنیگی - تو اس وقت کلنک اوتار جنم لینگے اور وہ کلجگ کا زمانہ ہوگا - پس اس صورت سے لازمی تھا - کہ بجائے اس کے کہ دنیا میں انسانوں کی دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوتی روز بروز آبادی گھٹتی جاتی کیونکہ کلجگ کے زمانہ میں بدیوں کی کثرت کی وجہ سے انسان بہت کم پیدا ہوتے اور کتے گھوڑے خچر بندر اور ریچھ کی کوئی حد ہی نہ ہوتی - بلکہ بجائے اس کے کہ دنیا میں اس قدر ترقیاں ہوتیں چاہیئے تھا کہ انسان وحشیوں کی طرح ہو جاتے - تمام ترقیاں رک جاتیں اور درندوں اور انسان میں کوئی فرق نہ رہتا - پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوں میں اس وقت کوئی سلطنت نہیں ہے حالانکہ بعض نیکیوں کا بدلہ ہوتا تھا - کہ انسان ایک با خدا راجہ یا مہاراجہ ہو جائے - جیسا کہ بکرما جیت پرتھی راج وغیرہ پہلے زمانہ میں ہوئے - اور یہ کہ اس کے ماتحت ایک بڑا ملک ہو جس پر کہ وہ خود مختارانہ حکمران ہو - مگر آج چونکہ ہندؤں میں ایسا کوئی نہیں اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیکیاں اور وہ خوبیاں جنکا بدلہ انسان کو اس صورت میں ملتا ہے وہ اب رہی ہی نہیں اور دنیا سے ایسے عمدہ کام ہی اٹھ گئے ہیں جن سے کہ ایک انسان خود مختار راجہ بنتا تھا - اور اس طرح ہم خیال کر سکتے ہیں کہ چند مدتوں کے بعد یہ مذہب مرجائے بلکہ روحانی طور پر اب بھی مردہ ہی ہے کیونکہ اس وقت ان میں کوئی ایسا نیک بخت نہیں ہے جس نے کہ نیک کام کرنے کے بعد راجہ مہاراجہ کا درجہ حاصل کیا ہو - اور اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت بھی ہم میں راجہ مہاراجہ موجود ہیں تو یہ بے فائدہ کی ہٹ ہوگی - کیونکہ اس وقت کے راجونکی حالت تو اظہر من الشمس ہے - پس معلوم ہوتا ہے - کہ اس مذہب میں سے وہ نیکیاں جن سے کہ با اختیار راجہ کی صورت میں انسان پیدا ہوتا ہے نہیں رہیں اور اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے - کہ ایسا آدمی کسی اور مذہب میں

پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ گویا اپنے پیر پر آپ کلہاڑی مارنی ہے کیونکہ اس صورت میں
ماننا پڑیگا۔ کہ دوسرے مذاہب بھی سچے ہیں اس وقت ایک اور بہت زبردست دلیل
ہمارے خیال میں آئی ہے جس سے کہ تناسخ کا ابطال خوب اچھی سے ہوتا ہے ہنود
کو بڑا فخر اسبات کا ہے کہ ہم قدیم سے ہیں اور ہم فلان فلان سور ماؤں کی نسلوں سے
ہیں اور دوسری تمام نسلیں پیچھے کی ہیں اور ہماری نسبت کم درجے کی ہیں مگر تناسخ کو مانتے
ہوئے یہ عقیدہ بالکل باطل ہو جاتا ہے کیونکہ تمام دنیا کی قوموں کی شناخت تمام نسلوں کا
امتیاز اور تمام ملکوں کے باشندوں کا فرق تناسخ کو ماننے کی صورت میں قطعاً نہیں رہتا
کیونکہ جو کوئی اچھے کام کریگا وہ اس مذہب میں آجائیگا اور جو کہ بُرے کام کریگا وہ دوسرے
مذاہب کے حصہ میں آجائیگا پس کوئی بڑی بات نہیں کہ ایک شودر نیک کام کرکے
برہمنوں کے زمرہ میں جا ملے اور ایک برہمن بُرے کام کرکے عیسائیوں میں جا پیدا ہو۔ اور ایک
مسلمان اپنے اعمال کی وجہ سے شودروں میں جنم لے پس یہ تمام ذات پانت کے جھگڑے
لغو اور بیہودہ ہو جاتے ہیں جن پر کہ ہندو دھرم نے بڑا زور دیا ہے۔ اگر ایک شودر نیک
کام کرکے اگلے جنم میں برہمن بن سکتا ہے تو شودر اور برہمن میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔
ممکن ہے کہ جس شودر پر کوئی سختی روا رکھی جائے وہ اس وقت برہمنوں میں ملنے کا کام کر رہا
ہو اور جس برہمن کی ہندو دھرم کے رو سے رعایت کی جائے اس کے اعمال اسوقت
ایسے ہوں جیسے کہ شودروں کے پس کیا اس شودر پر سختی کرنی اور اُس برہمن کی رعایت
کرنی جن کے اعمال مذکورہ بالا طریق پر ہوں ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ دوسرے لوگ
نیک اعمال ہی نہیں کرتے تو اس صورت میں بھی بہت مشکل پیش آتی ہے۔ کیونکہ پھر تو
گویا کہ پرمیشور نے ہندو دھرم کے تباہ کرنے کی نیت کی ہے کیونکہ دوسروں نے تو
نیک اعمال کرنے ہی نہ ہوئے اور ہندو دھرم نے بڑھنا ہی نہ ہوا اور دوسرے لوگ نیک اعمال
کرینگے تبھی تو وہ تناسخ کے ذریعہ ہندو دھرم میں جنم لینگے مگر جب وہ نیک اعمال کرینگے
ہی نہیں تو ہندو دھرم بڑھیگا کیونکر اور جب بڑھیگا نہیں تو کم ضرور ہوگا کیونکہ بُرے اعمال تو
ہندوؤں نے ضرور کرنے ہوئے اور اس طرح وہ دوسرے مذاہب میں جاکر جنم لینگے۔

اور ہندو دھرم روز بروز گھٹتا ہی جاویگا - اور پھر ایک اور مشکل پیش آویگی کہ گائے جو کہ انکے نزدیک ایک بڑا متبرک جانور ہے اس کی جون میں دوسرے مذاہب والے جنم لیتے رہینگے - غرضیکہ اس طرح لازم تھا - کہ ہندو مذہب دو چار صدیون میں ہی تباہ ہو جاتا مگر چونکہ اب تک تباہ نہیں ہوا اس سئے معلوم ہوا - کہ یہ بات غلط ہی - کہ دوسرے مذاہب والے نیک اعمال نہیں کرتے - بلکہ ثابت ہوا - کہ وہ نیک اعمال کرتے ہیں اور اسکے بدلے ہندون مین جنم لیتے ہیں اور اس صورت میں وہ ذاتون کے تمام قوانیں جو کہ ہندون میں ایک سخت حکم کے طور پر سمجھے جاتے ہیں فضول ٹھہرتے ہیں - جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں اور جب ایک مذہب کی وہ بات جو کہ بڑے ستونون میں سے ہو رد کی جائے تو باقی کی نسبت ہم کیا امید کر سکتے ہیں - اور یہان تو صرف ایک ہی نہیں بلکہ کئی اور باتین ہم غلط ثابت کر چکے ہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ تناسخ سے عملی طور سے فائدہ کیا مرتب ہوتا ہے - اگر تناسخ سے یہ فائدہ خیال کیا جاتا ہے - کہ انسان اپنے گناہون کی سزا بھگت کر پاک ہو جائے تو یہ صورت تو ناممکن ہے کیونکہ ہر ایک گناہ کے بدلے ایک جون بھگتنی پڑتی ہے - اور پھر ہر ایک جون میں گناہ لازم ہوے تو اس طرح کبھی انسان جونون کے پھندے سے بچ نہیں سکتا - پس ہم نہیں سمجھ سکتے - کہ اِس جونون میں بدلنے کے کام سے پرمیشور نے کیا فائدہ سوچا ہے جہان تک ہم سوچتے ہیں تناسخ کی وجہ سے نجات ایک دم کے لئے بھی حرام ہی پس پرکاش کا عقیدہ رکھنا یا سرگ پر ایمان لانا بالکل غلط ہے اور بے بنیاد ہے - کیونکہ جب نجات ممکن ہی نہیں تو بہشت یا جنت بھی ساتھ ہی ناممکن ٹھہرے - میرے وہم میں بھی نہیں آسکتا کہ اس عقیدہ پر ایمان لا کر پھر کوئی شخص نجات کا قائل ہو سکے - اگر اِس عقیدہ کو مانیں تو پرمیشور کا نعوذ باللہ فریبی ہونا ثابت ہوتا ہے اور اگر اس عقیدہ کا انکار کریں تو پھر مذہب ہنود کا سچا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا - پس اب اِس صورت میں جو کچھ سناتن دھرمی صاحبان اپنے پر گوارا کر لیں وہی ہم کو بھی منظور ہوگا یا تو کہہ دیں کہ بیشک انسان کو خدا نے ایک خیالی جنت کی طرف بلایا ہے - حالانکہ بہشت صرف ایک ڈھکونسلا ہے یا اقرار کریں کہ ہمارا مذہب جھوٹا ہے - اگر ہماری رائے پوچھیں تو ہم دوسری بات کو ترجیح دینگے کہ اصل میں تو یہ

مذہب کسی وقت کسی صورت میں خدا کی طرف سے ہی تھا مگر بعض ناخداترسون نے دنیا کے گمراہ کرنے کے لئے اِس مین بہت کچھ ملا دیا جس سے کہ اِس مذہب کی صورت مسخ ہو کر اور کی اور ہی بن گئی پس اس صورت میں جو الزام خدا پر وارد ہوتا ہے وہ بندون پر لگ جائیگا - اور اس مین چندان کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہی رہتے ہین جنکو صرف جھوٹ اور فریب سے ہی دلچسپی ہوتی ہے اور ان کا خیال ہر وقت سچائی کو مٹانے کے درپے ہوتا ہے اب ایک اور مختصر اعتراض ہم اس عقیدہ پر کرتے ہیں کہ کم سے کم پرمیشور کو لازم تھا - کہ ان غریب جونین بھگتنے والون کو اِس بات کی اطلاع کر دیا کرتا ... کہ فلان گناہ اور فلان قصور کے بدلے میں تم کو یہ سزا دی جاتی ہے جس سے کہ اس انسان کو اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا - کہ وہ آئندہ اُس گناہ سے تو بچتا اور جب گنہ کا پتا ہی ایک آدمی کو نہ دیا جائیگا تو وہ اُس سے بچنے کی کیا خاک کوشش کریگا - بلکہ بے خبری کی وجہ سے پھر گناہ ہون مین پھنسکر گناہون کا ایک اور تومار اکٹھا کریگا جس کی وجہ سے وہ کبھی جونون کے چکر سے نجات حاصل کر ہی نہیں سکتا - پس یہ کیا انصاف اور کس قسم کا عدل ہے کہ بلا گناہ اور بغیر بتائے جرم کے ایک شخص کو سزا دی جاتی ہے حالانکہ یہی لوگ جو اس عقیدہ پر ایمان لاتے ہیں اگر کہیں کوئی برٹش مجسٹریٹ غلطی سے کسی مجرم کو بلا بتائے گناہ کے سزا دیتا ہے تو اس قدر واویلا کرتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں رہتی ایک طرف تو اخبار دن والے وہ شور مچاتے ہیں کہ اُن کے آرٹیکل پڑھتے پڑھتے لوگ تھک جاتے ہیں دوسری طرف وکیل اور بیرسٹر جلسون پر جلسے کر کے پبلک کو جگاتے ہیں کہ دیکھو اس قدر ظلم ہم پر ہو رہا ہے حالانکہ وہ بات کچھ بھی نہیں ہوتی پھر اسی پر بس نہیں بلکہ بڑے بڑے لکچرار ملک کا دورہ کرتے ہیں اور دھوان دھار تقریرون سے ایک تنکے کا پہاڑ بنا کر دکھاتے ہیں اور سامعین سے انصاف چاہتے ہیں کہ کیا اب کوئی ظلم کی حد رہگئی ہے - مگر یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ تو بات ہی کچھ نہیں ہمارا پرمیشور بھی اسی طرح کرتا ہے کہ گناہ تو بتاتا ہی نہیں اور جھٹ ایک شخص کو پکڑ کر کتا بنا دیتا ہے تو دوسرے کو بندر اگر ان کی فطرت سے یہ بات باہر ہے کہ بغیر خطا کے بتائے کے سزا دی جائے اور یہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں تو سب سے پہلے تو انہیں پرمیشور کے مقابلہ میں اجیٹیشن کرنا

چاہیئے تھا اور جوش کی نمائش کرنی چاہیئے تھی - کیونکہ جب وہ ذرہ سی سزا برداشت نہیں کر سکتے تو بڑی سزا کس طرح برداشت کرینگے - اب میں اس مسئلہ کو ختم کرتا ہوں اور ناظرین کو یہ بتائے دیتا ہوں - کہ اگرچہ میں نے اتمام حجت کے لئے یہ جواب لکھ دیئے ہیں مگر اصل میں ان کی کوئی اتنی بڑی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اہل ہنود کے پاس تناسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پرمیشور نے بتایا نہیں کہ فلاں فلاں گناہ کے بدلے فلاں جون بھگتنی پڑیگی - انکے نبیوں نے بھی ظاہر نہیں کیا - کہ پہلے ہم فلاں جون میں تھے اور اب فلاں جونیں بھگتیں گے پھر عقل سلیم باور نہیں کرتی اب ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ رہ جاتا ہے کہ انسان تناسخ کے پھیر میں اگر جونیں بھگتے گا ہم کہتے ہیں کہ نہیں بھگتے گا ان کے پاس دلیل کیا ہے اگر انکا دعویٰ یہ ہے کہ ایسا ہوگا تو ہمارا دعویٰ ہے کہ نہیں ہوگا - اگر انکے پاس دلیل کوئی نہیں تو ہمارے پاس نہ ہونے کی دلیلیں ہیں - جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں - ہم نے اس مضمون میں بڑی بڑی باتیں غلط ثابت کر کے دکھائی ہیں عـلہ - اور اب صاف ظاہر ہے کہ ہندوؤں کا خدا تو اس قابل نہیں کہ ہم اس سے محبت کر سکیں - کیونکہ نہ ہماری پکار کا جواب دیتا ہے نہ ہم پر رحم کرتا ہے اور باوجود اُس سے محبت کرنے کے وہ اُلٹا ہم کو تناسخ کے لایعنی پھیر میں ڈالتا ہے -

اب ہم آریہ ست کو لیتے ہیں - یہ ایک نیا فرقہ ہنود میں نکلا ہے مگر اپنا بہت سا پہلو بدل کر دنیا کے سامنے پیش ہوا ہے اس فرقے پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم اتنا کہدینا چاہتے ہیں کہ ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس فرقے کے بانی اور اُس کے چیلوں نے جو نمونہ دنیا کو دکھایا ہے وہ سخت ہی قابل مذمت ہے اس فرقے کا ظہور چالیس پچاس برس کے اندر کا ہی ہے اور اس قلیل عرصہ میں بھی اس کے پیروان نے جس قدر لوگوں کا دل دکھایا ہے اس کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں یہ جب بات شروع کرتے ہیں تو گالیوں سے پہلے اُسکو مزین کر لیتے ہیں - لڑائی جھگڑا اور فساد ان کے وعظوں میں اکثر ہوتا ہے کوئی بزرگ دنیا میں نہیں گزرا ہوگا - کہ جس کی توہین نہ کی ہو - آدم کو گالیاں حضرت ابراہیم کو تبرے - موسیٰ کی توہین - عیسیٰ کی مذمت - اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہمارے نبی کریم کہ جن کے اخلاق کا نمونہ نہ کسی نے دکھایا نہ دکھا سکتا ہے اِن سے دشمنی

عـلہ - ہنود لوگ بھی اسبات کے قائل نہیں کہ ان میں بھی کوئی اور داخل ہو سکتا ہو بلکہ ان کے خیال میں بھی یہودیوں کی طرح نجات اور مذہب والوں پر بلکہ اور قوموں پر حرام ہے اور اگر ان کے میں داخل ہونا بھی کوئی چاہے تو بھی ناممکن ہے اور قطعی طور

کرنا ان کے نزدیک عین ثواب کا کام ہے اور نیکی کا جزو اعظم ہے اور پھر یہی نہیں باوا نانک صاحب کہ جنکو تمام مذاہب والے نیک کہتے ہیں اور ان کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اُنکی نسبت بھی سخت سُست الفاظ یہ لوگ زبان پر لاتے ہیں مگر اس بات کے جواب میں یہ لوگ تہذیب کو بالائے طاق رکھکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے مخالفین کو گالیان کیوں نہ دیں جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ ایسے ہی ہیں مگر اس بات کا معلوم نہیں کیا جواب دینگے ۔ کہ کرشن اور رام چندر جی بیچارون نے کیا قصور کیا تھا کہ یہ لگے ان کو بھی بُرا بھلا کہنے اور اِس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنکو گالیان دینے سے کام ہے خواہ کوئی سامنے ہو جب دیکھا کہ فلان بزرگ کی بات ہمارے خیال کے برخلاف ہے تو پیٹ بھر کے گالیان سنا دیں اور دوسرے لوگ تو خیر مخالف ہی تھے اپنے باپ دادوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا جن کی بہت سی باتوں پر یہ اب بھی عمل کرتے ہیں اور اُن کی بیویان تو تمام کل انہیں رسومات کی پابند ہیں جو پرانے زمانے سے چلی آتی ہیں ۔ پھر جبکہ گھر میں زور نہیں چلتا ۔ تو باہر دنیا پر کس طرح چل سکتا ہے ۔ یہی باتیں تھیں کہ جن کی وجہ سے ہم نے خیال کیا ۔ کہ ایسے لوگون سے کلام کرنا اور ان کی نسبت کچھ لکھنا گویا ان کو عزت دینا ہے ۔ اور اپنے بزرگون کی نسبت گالیان سنتا ہے مگر اس لئے کچھ لکھنا ضروری سمجھا کہ ان کا فتنہ روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اور جیسا کہ چراغ بجھنے کے وقت ایک تیز روشنی دے کر گل ہو جاتا ہے ۔ یا ایک مرنے والا انسان مرتے وقت باوجود سخت بیمار ہونے کے کچھ دیر کے لئے بالکل تندرست ہو جاتا ہے اور اس میں غیر معمولی قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور نادان آدمی سمجھتے ہیں کہ اب یہ اچھا ہو گیا ۔ حالانکہ حکیم کی نظر میں یہ اس کی موت کی نشانی ہوتی ہے ۔ اسی طرح یہ لوگ جبکہ ویدک مذہب کی زیست کے دن ختم ہو گئے تو آریہ مت کی شکل میں ایک دفعہ چمکے ہیں ۔ یا ایک انسان کو مرتے وقت جو افاقہ ہو جاتا ہے اُس کی طرح ہنود میں بھی افاقتہ الموت کی طرح یہ لوگ پیدا ہو گئے ۔ اور نادان لوگ ان کی تیزی اور طراری سے خائف ہو گئے ہیں ۔ کہ کیا درحقیقت ان میں کوئی روحانیت ہے جس کی وجہ سے ان میں اس قدر جوش و فروش ہے مگر یہ لوگ

نہیں سمجھتی۔ کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ یا مرتا ہوا انسان ہے کہ جو جلد ہی اس دنیا سے نابود ہو جائیگا ان کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ جلدی ہی کچھ تو ان میں سے دہریہ ہو جائینگے اور کچھ مسلمان۔ انہوں نے اپنے پرانے مذہب کو چھوڑ کر گویا کہ ایک قدم ترقی کی طرف بڑھایا ہے مگر اس قدم بڑھانے میں کچھ ایسی غلطی کی ہے اور وہ ٹھوکر کھائی ہے کہ کہیں سے کہیں جا پڑے ہیں۔ اس فرقے نے ہنود میں ایک بڑی اصلاح کی ہے۔ کہ بت پرستی کو ترک کر دیا ہے مگر ساتھ ہی ایک ایسی خوفناک غلطی کر بیٹھے ہیں کہ اس پر غور کرنے سے بدن کانپ اٹھتا ہے یعنی انکا عقیدہ ہے کہ روح اور مادہ ایسے ہی ازلی ہیں۔ جیسے کہ خدا۔ اور یہ مخلوقات نہیں بلکہ خود بخود ہیں۔ اس پر بڑا اعتراض ہوتا ہے کہ پھر ندائے کیوں ہے۔ روح اور مادہ تو پہلے سے موجود ہیں تو پھر خدا کی ضرورت کیا رہی اور خدا سے ہمارے تعلقات کیونکر رہ سکتے ہیں وہ محبت کا تعلق جو کہ انسان کو خدا سے ہے وہ تو اسی صورت میں ہے جبکہ انسان اس کی مخلوق ہے اور جب کہ وہ خدا کے بے پایان رحم اپنے پر دیکھتا ہے مگر جب کہ رحم تو خدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جونون کے چکر سے انسان کو وہ چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ اور خالقیت کا بھی کوئی تعلق نہیں تو پھر انسان اُس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے۔ اور جب کہ خدا سے محبت کرنے کا کوئی مادہ موجود نہیں تو یہ محبت کہاں سے آگئی اور انسانی دل میں محبت پیدا کرنے کا پرمیشور کو خیال کیونکر آیا۔ جبکہ وہ جانتا تھا کہ انسان کی محبت مجھ سے ہونی ناممکن ہے اور پھر یہ کہ انسان کے پیدا کرنے کی غرض کیا تھی۔ اس کی صفات تو اسبات کی مقتضی ہے ہی نہیں۔ کیونکہ نہ وہ رحمان ہے کہ اس کی صفت رحمانی چاہتی تھی۔ کہ کوئی مخلوق ہو۔ اور میں اُس پر بے اس کے کسی کام کیئے کے احسان کروں اور نہ وہ رحیم ہے۔ کیونکہ جب وہ جونون کے چکر میں انسان کو سرگردان کرتا ہی اور اتفاقاً انسان کبھی گناہوں سے پاک ہو کر (اگرچہ یہ ناممکن ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں) پرکاش کی سیر کا مستحق ہوتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں نجات کے قابل ہو جاتا ہے تو پرمیشور آریوں کے خیال کے مطابق ایک گناہ اسکا رکھ چھوڑتا ہے۔ تاکہ یہ میرے پھندے میں سے نکل نہ جائے۔ اور اس بات کا ہونا۔ ایک رحیم انسان سے بھی بعید ہے۔ چہ جائیکہ رحیم خدا ایسا کرے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ خدا رحیم بھی نہیں۔ اور دوسرے بھی نہیں کہ اُس کی صفت خالقی اس کو

انسان کے پیدا کرنے پر مجبور کرنے - اس موقعہ پر مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی توڑنے جانے والی طاقت اُس کو مجبور کر رہی ہے - کہ وہ ایسی مخلوق پیدا کرے گر اول تو وہ خود ہی شرمندہ ہوگا - بشرطیکہ کچھ بھی حیا رکھتا ہو - کیونکہ خدا تعالےٰ سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ صرف جوڑنے جانے کی طاقت رکھتا ہو - اور اس کے علاوہ بالکل ناطاقت اور بے اختیار ہو - اور دوسرے یہ بات نہ صرف سائنس دان یا علم طبعی کے جاننے والے ہی مانتے ہیں - کہ ہر ایک چیز میں ایک کشش اتصال ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے حصہ یا دوسری چیز کو کھینچتی ہے - بلکہ خود آریہ صاحبان بھی اس کے قایل ہیں - اور اس پر یقین رکھتے ہیں - پس اس طرح اس جوڑنے کی طاقت کا بھی ابطال ہو جاتا ہے - کیونکہ جب مادہ میں خود ہی جڑنے کا مادہ تھا - تو خدا کو یا پرمیشور کو بیچ میں دخل دینے کی کیا حاجت ہوئی - مادہ نے تو خود بخود جڑنا ہی تھا - اور مختصر صورتیں اختیار کرنی ہی تھیں - پھر پرمیشور کا کیا تعلق - اور پھر جب کہ مادہ ازل سے موجود تھا - اور خدا نے اس کو نہیں بنایا تھا - تو اس میں ایک طاقت تھی - جسکی وجہ سے وہ اپنے آپ پر قائم تھا - اور خدا تعالےٰ کے اُس پر قبضہ کرنے کے وقت ایک جنگ کی ضرورت تھی - کیونکہ جب کہ ایک طاقت والی چیز دوسری پر قبضہ کرنا چاہتی ہے تو بغیر مزاہمت یا جھگڑے کے نہیں کر سکتی جیسا کہ ایک قوی آدمی پر جب بیماری کا حملہ ہوتا ہے تو اس کی طاقت اور بیماری میں ایک سخت جنگ ہوتی ہے اور اُس کے بعد جس کا غلبہ ہوتا ہے وہی انسانی مزاج پر حاوی ہو جاتی ہے پس اسی طرح خدا اور مادہ میں ایک جنگ ہونی چاہیئے تھی - اب اگر یہ جنگ نہیں ہوئی تو مادہ اور روح ازلی نہیں ہو سکتے - اور اگر ہوئی ہے - تو علاوہ اس کے کہ خدا کی طاقتوں اور صفتوں پر ایک سخت دھبا آتا ہے یہ بھی ثابت ہوتا ہے - کہ یہ ایک معین وقت ہے کیونکہ جنگ کا ہونا - اور پھر ایک کا دوسرے پر غلبہ پانا ایک وقت چاہتا ہے - اور اُس کے بعد پرمیشور کا جوڑنے جاڑنے کا کام کرنا ایک وقت محدود ہو جاتا ہے - جو کہ خود آریہ کے عقیدہ کے برخلاف ہے اور درحقیقت بات یہ ہے - کہ انہوں نے یہ دہریت کا پیش خیمہ کھڑا کیا ہے - ورنہ آریہ مت کوئی مذہب نہیں - کیونکہ جب خدا بھی ازلی ہوا - پھر روح بھی ازلی ہوئی - اور مادہ بھی ازلی ہوا - اور ان میں اتصال کی طاقت بھی ہے - تو باقی خدا کا کام کیا رہ گیا - اور یہ اس بات کی پکی دلیل ہے کہ آریوں نے اپنے پرانے مذہب کو

تباہ کرنیکے لئے ایک قدم ترقی کی ہے اور انہون نے خیال کیا کہ اگر شروع مین ہی دہریت ظاہر کی تو ہندو پیچھے پڑ جاینگے اور بنا بنایا کام بگڑ جایگا پس اس صورت سی قدم بڑہانے چاہئین کہ ہندون کو خبر نہ ہو اور کام بھی ہو جاے اور اس بات کے ثابت کرنی کے لئے مجھے کوئی بڑی دلیل دینی کی ضرورت نہین بلکہ خود یہ مسئلہ بھی میرے دعوے کی تائید کرتا ہے کہ خدا مادہ اور روح تینون ازلی ہین اب خدا کا کام تو صرف اتنا رہ گیا کہ انکو جوڑ دے مگر ساتھ ہی پھر ان مین بھی ٹوٹنیکی طاقت ہے اب صرف ایک قدم ان کو اور چلنا ہوگا اور پھر یہ دہریون مین جا ملینگے۔ وہ یہ کہ خدا نے جوڑا بھی نہین بلکہ خود بخود یہ چیزین جڑ گئین کیونکہ ان مین قوت انفصال خود ہی تھی اور اب بھی یہ کوئی مذہب نہین رکھتی بلکہ صرف قومیت کے لئے انہون نے ایک مذہب بنا رکھا ہے ورنہ انکے خیالون مین جو کچھ ہی وہ صرف یہ چند روزہ دنیاوی ترقی ہے اور اسکے بعد ان کا کوئی عقیدہ نہین کہ کوئی دوزخ یا بہشت ہی دوزخ تو انہون نے تناسخ کے پھیر کا نام رکھا ہے اور بہشت وہ جب اس پھیر سے نجات* ملے مگر خود ان کا ایک عقیدہ ہی تناسخ کا رد کرتا ہے جس سی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تناسخ اور پرکاش کا عقیدہ صرف زبانی باتین ہین ورنہ دل سے یہ اس بات کے قائل نہین وہ عقیدہ یہ ہے کہ فلان فلان رات کو عورت سے صحبت کرینسی لڑکیان پیدا ہوتی ہین اور فلان فلان مین لڑکے اول تو یہ عقیدہ بذات خود غلط اور عقل سے بعید ہے کیونکہ اگر یہ سچ ہوتا تو کم سے کم آریون کے ہان لڑکون کی وہ کثرت ہوتی کہ دنیا تنگ رہجاتی مگر ہم ایسا نہین دیکھتے بلکہ خود پنڈت لیکھرام کے ہان جو کہ ان کا ایک گرو گھنٹال گذرا ہے کوئی اولاد نہین ہوئی اور اسوقت انکے بڑے بڑے لیڈرون کے ہان نرینہ اولاد نہین غرضیکہ یہ عقیدہ عملی طور سی بالکل غلط ثابت ہوا ہے اور پھر ایک اور بات اسکو غلط ثابت کرتی ہی اور اسکے بیان کرنے سی پہلے ہمکو افسوس سے یہ کہنا پڑیگا کہ دروغ گورا حافظہ نباشد

* یہ قوم نجات کی سخت دشمن ہی کیونکہ تناسخ سے نجات ملنی ممکن ہی نہین جب ہر ایک گناہ کے بدلے مین ایک جون منزہ گنتی پڑیگی تو نجات کیسی؟ پھر نجات کے معنی ہین کامل خلاصی مگر انکے ہان کامل خلاصی ہی نہین بلکہ خدا ایک گناہ پھر بھی رکھ لیتا ہے تاکہ پھر انسان کو تناسخ کے پھیر مین ڈالدے *

اور وہ یہ ہے کہ جب پنڈت دیانند نے جو کہ انکے مذہب کا بانی ہی تاریخین مقرر کردی ہین - کہ فلاں مین لڑکے اور فلان مین لڑکیان پیدا ہونگی تو پھر اس بات کے کہنی کی کیا ضرورت پیش آئی کہ نیوگ مین گیارہ لڑکے ہی شمار ہونگے اور لڑکیان اس شمار مین نہین ہونگی جبکہ لڑکے پیدا کرنا اپنے اختیار مین ہے تو پھر لڑکیون کا کیا ذکر وہ مرد جسکے اولاد نہین ہوتی وہ خود دیکھ لیگا کہ فلان رات لڑکا پیدا کرنے کی ہی وہ اسی دن نیوگی خاوند کو بلا لیگا اصلی بات وہی ہے جو کہ مین پہلے لکھ آیا ہون کہ پنڈت دیانند کو وہ قاعدہ بھول گیا جو کہ وہ لڑکے اور لڑکیان پیدا کرنیکی نسبت باندھ آئے تھے اور نیوگ کا ذکر کرتے ہوئے انہین فکر ہوئی کہ اگر لڑکیان ہی پیدا ہون تو پھر کیا ہوگا خاوند کی سب محنت رایگان ہوئی اور بیوی بھی ہاتھہ سے جائیگی اسلیئے انہون نے قاعدہ بنایا کہ شرط یہ ہے کہ نیوگی اولاد نرینہ ہو مگر اسطرح خود انہون نے اس قاعدہ کو توڑ دیا جو کہ اولاد حاصل کرنیکے لئے باندھا تھا مگر اسوقت ہمارا مدعا اور تھا یہ قاعدہ بذات خود تو غلط ثابت ہو ہی گیا ہے اس لئے ہم اصل بات کی طرف لوٹتے ہین اور وہ یہ کہ آریون کا عقیدہ ایسا ہے کہ لڑکے اور لڑکیان پیدا کرنا اپنا اختیار ہے پس جبکہ ایسا ہے تو تناسخ غلط ٹھہرتا ہے کیونکہ ایک انسان جس نے پچھلے جنم مین ایسے کام کئے تھے کہ جنکی وجہ سے اسکے لڑکے نہین ہوتے تھی وہ اس قاعدہ پر چل کر نرینہ اولاد حاصل کرسکتا ہے پس اس سے تناسخ باطل ہو جاتا ہے تناسخ تو تب صحیح تھا کہ انسان لڑکے لڑکیان خود نہ پیدا کرسکے اور جیسے کرم عمل کئے ہین ویسی سزا یا بدلا پائے مگر اس صورت مین بدلہ نہین رہتا بلکہ انسان کا اپنا اختیار ہو جاتا ہی اور اسطرح تناسخ رہ جاتا ہے پھر ہم دیکھتے ہین کہ ایک غریب آدمی کے لڑکے ہوتے تھی اور ایک امیر کے لڑکیان اور یہ اس لئے کہ انہون نے پچھلے جنم اسی کے مطابق کام کئے تھے مگر امیر تو دیانند کے قواعد کے مطابق لڑکے حاصل کرتا ہے اور غریب کے لڑکیان پیدا ہوتی ہین حالانکہ وہ لڑکے تو بوجہ اس غریب کے پچھلے جنم کے کامون کے اس کے ہان پیدا ہونے تھے اور خود وہ لڑکے جو کہ امیر کے ہان جا کر پیدا ہو گئے انکے اعمال تو ایسے تھی کہ وہ اس غریب کے ہان پیدا ہو کر فاقون سی عمر گذارتے انہون نے اعمال ہی ایسے کئے تھی کہ ان کو یہ سزا دیجاتی اب جو وہ امیر کے گھر پیدا ہو گئے تو کس کام کے بدلہ مین ہوئے جبکہ

مسئلہ تناسخ مجبور کر رہا ہے کہ وہ ایک غریب کے ہان پیدا ہو اب ہم دیکھتے ہین کہ اس عقیدہ سے جو کہ خود آریون کا عقیدہ ہے تناسخ کی جڑ کٹ جاتی ہے یا نہ یہ ماننا پڑیگا کہ لڑکے لڑکیان اعمال کے مطابق ہین اپنے اختیار مین نہین یا تناسخ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا جائیگا اور ان دونون صورتون مین آریہ مت کا ابطال ہوتا ہے یہ دلیل ایسی قاطع ہے کہ ضد اور ہٹ سے اگر کام نہ لیا جائے تو آریون پر ایک بڑا سخت حربہ ہے ہان اگر آریہ صاحبان اپنی جبلی عادت کو کام مین لا کر پھر بھی گالیون پر اتر آئین اور ہماری اس دلیل کو غور سے نہ دیکھین نہ سمجھین تو اسمین ہمارا کوئی قصور نہین ہم مسلمانون کی طرف سے کافی دلایل اس بات کے ثبوت کے لئے دئے گئے ہین کہ آریہ مت کو قبول کر کے ایسے پرمیشور سے معاملہ نہین پڑتا جس سے کہ محبت کی جا سکے بلکہ سراسر اسکے برخلاف ہی ہین انتظار کرتا ہون کہ اس اعتراض کے پڑھتے ہوئے آریہ صاحبان تناسخ کی سچائی کی کیا دلیل دیتے ہین اگرچہ یہ لازمی امر ہے کہ وہ کوئی جواب گھڑ تو ضرور لینگے اور اس شد و مد سے اسکو بیان کرینگے گویا سچائی اور حق انکے دل مین بھرا ہوا ہے مگر عمل بھی ایسا ثابت کریں تو ہم ماننے کو تیار ہین۔ یا یہ کہ عملی رنگ مین آریون کی تعلیم آ سکے تو پھر کون اعتبار کر سکتا ہے کہ درحقیقت یہی حق پر ہین اب مین اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہون اور وہ یہ ہے کہ تناسخ خود ان کے عقیدے کے مطابق غلط ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ تناسخ کی نسبت زبانی ہی ہے ورنہ یہ اصل مین موت کے بعد کوئی اور عالم مانتے ہی نہین اور دہریت کی طرف بڑی تیزی سے قدم مار رہے ہین یا بالفاظ دیگر دہریہ ہی ہین اور انکے اس عقیدہ سے مادہ اور روح ازلی ہین خدا کے علم مین بھی فرق آتا ہے کیونکہ جس چیز کو اس نے پیدا ہی نہین کیا انکی خاصیتون اور ماہیتون کا اسکا علم کیونکر ہوا وہ تو ازلی ابدی ہین جیسا کہ پرمیشور ہے۔ اور پرمیشور نے اسکو پیدا ہی نہین کیا تو کیونکر انکے مخفی در مخفی رازون سے واقف ہو گو بالکم سے کم اسکو ایک مدت تجربات کرنی لگی ہوگی کہ وہ مادہ اور روح کی اصل حقیقت معلوم کرے جو کہ پرمیشور پر ایک بدنما دھبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرمیشور پر افترا کیا گیا ہے دوسری بات انکے اعتقاد کی یہ ہے کہ خدا جب دیکھتا ہے کہ تناسخ سے ایک آدمی نجات حاصل کرنے لگا ہے اور قریب ہی کہ وہ اس پھیر سے بالکل بچ جائے تو وہ اس کو

پرکاش مین جگہ دیتا ہے جہان کہ وہ کچھہ مدت آرام سے گزارتا ہے اور پھر ایک گناہ کے بدلہ مین جو کہ خدا نے نجات دینے وقت چھوڑ رکھا تھا یعنے اُس گناہ کی سزا ابھی اسکو نہین دی تھی اسکو تناسخ کے چکر مین ڈالدیا جاتا ہے اس موقع پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیون ایسا کیا جاتا ہے جبکہ اسکا صرف ایک گناہ رہ گیا تھا اور وہ نجات کے کنارہ پر کھڑا تھا اور قریب تھا کہ اس دریا مین ہمیشہ کے لئے غوطہ مارے اور دائمی تکالیف سے بچ جائے کہ پرمیشور نے اسکو ایک غوطہ دیا اور باہر کھڑا کر دیا کہ جا پھر تکالیف کے سمندر مین تیر کیا یہ ظلم نہین کیا یہ صریح زیادتی نہین اور پھر ایک ایسی چیز پر جسکا قدامت اور ابدیت مین ایسا ہی دعوے ہے جیسا کہ پرمیشور کا پھر جو اسکی مخلوق نہین اور پھر وہ جو کہ پرمیشور کی کوئی ضرورت نہین رکھتی اگر پرمیشور نہ بھی ہو تو وہ خود بخود جڑ سکتی ہے اور مختلف شکلون مین تبدیل ہو سکتی ہے اور پھر بھی نہین کہ اسطرح مادہ اور روح کو نجات حاصل کرنے سے روکا گیا ہے بلکہ نجات کے دوسرے قواعد بھی ایسے سخت اور کڑے مقرر کئے گئے ہین کہ نجات ناممکن ہے کیونکہ ہر ایک جیو ہتیا پر جون کا چکر لگانا پڑتا ہے اور پانی جو کہ انسانی ضروریات سے مقرر کیا گیا ہے اسکے ایک قطرہ مین ہزارون کیڑے ہوتے ہین اور ہوا مین کیڑے ہوتے ہین اور پھر یہ ہی نہین بلکہ پنڈت دیانند کے مقرر کردہ قواعد کے رو سے ہر ایک چیز مین روح ہوتی ہے یہانتک کہ پودون اور درختون مین بھی ہوتی ہے تو اس صورت مین جو چیز انسان کھائیگا وہ جاندار ہوگی اور اسکا کھانا جیو ہتیا ہوگا۔ اور جو شخص ایک بھی سانس لے بوجہ ان جیون کی۔ ہتیا کے جو کہ ہوا مین ہوتے ہین سینکڑون جونین بھگتیگا پس نجات ناممکن ہے اور خود پنڈت دیانند جی کو معلوم نہین اتنے کیڑون اور جاندارون کو ہلاک کرنے کی وجہ سے جو کہ وہ اپنی زندگی مین کرتے رہے کن کن جونون مین جنم لینا پڑیگا چونکہ ہندوون کے بیان مین کافی طور سے تناسخ کارد ہو چکا ہے اس لئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین اور اب ہم انکے عملی حصہ کو دیکھتے ہین کہ کیا وہ ایسا حصہ ہے جو کہ انسانی فطرت کے مطابق ہے یا نہین سو پہلے تو انکے طرز معاشرت پر نظر ڈالنے سے ہمکو نیوگ کا ایسا خوفناک مسئلہ نظر آتا ہے جسپر عمل کرنا ایک شریف آدمی کا کام نہین۔ یہانتک کہ خود آریہ صاحبان بھی اس سے کچھہ پرہیز ہی کرتے ہین ہان بعض بعض حد سے

بڑھے ہوئے اسکو بھی ایک خوبی ہی سمجھتے ہیں مگر یہ شاذ و نادر ہی ہین اور شاذ کا عام مین دخل نہین اسلئے ہم یہی کہینگے کہ عام آریہ اس مسئلہ کے برخلاف ہیں پھر جبکہ وہ خود اسپر عمل نہین کرتے تو دوسرے مذاہب والے تو خواہ مخواہ اس سے نفرت ہی کرینگے شاید بعض ناظرین اس مسئلہ کی حقیقت سے ناواقف ہون اس لئے مین انکے علم کے لئے اسکی تشریح کر دیتا ہون نیوگ آریہ سماج کا ایک مسئلہ ہے جسکی رو سے وہ مرد جسکے ہان اولاد نہ ہوتی ہو دو یا تین سال تک انتظار کرکے اپنی بیوی کو اولاد کی خاطر ایک دوسرے سے ہم بستر کرواتا ہے اور ایسے مرد سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بانٹ لی جاتی ہے اور اس طریقہ سے گیارہ لڑکون تک حاصل کئے جا سکتے ہین اور یہ کام ایک ہی مرد سے نہین ہونا چاہیے بلکہ پانچ چھ آدمیون کے ذریعہ یہ تعداد پوری کروانی چاہیے اور پھر اس عرصہ مین جبکہ ایک مرد دوسرے کی بیوی سے نیوگ کر رہا ہو اس بیوی والے شخص کو چاہئے کہ عمدہ عمدہ غذاؤن سے نیوگ کرنیوالے شخص کو تازہ کرے اور ہر طرح کی آسایش کے سامان اسکے لئے مہیا کرے اب دیکھنا چاہیے۔ کہ اس عقیدہ پر اگر عمل کیا جاوے تو دنیا مین کیسی خوفناک تباہی آنے کا اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے کیونکہ اوّل تو عورتین خلقی طور پر باحیا اور شرمیلی بنائی گئی ہین جب انکو ایسے کام کے لئے کہا جائیگا تو ممکنات سے بعید نہین کہ ان مین سے بعض بلکہ اکثر خودکشی کرکے مر جائین جیساکہ دنیا میں اس قسم کے موقعون پر ہمیشہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہین اور پھر اگر وہ مان بھی لین تو آئے دن کے طعن وتشنیع سے وہ ایک مہینہ بھی زندہ نہین رہ سکینگی جب ایک عورت کا خاوند مرجاتا ہے اور وہ دوسرا خاوند کرتی ہے تو اسوقت ہی عورتین اسکو طعنے دیتی ہین تو جب وہ ایک مرد کے زندہ ہوتے ہوئے اور کسی مرد سے صحبت کریگی تو کیا کچھ اسپر اعتراض نہ آئیگا وہ خود اپنے دلین کیسی شرمندہ ہوگی اور اپنے رشتہ دارون عزیزون مین کس منہ سے بیٹھیگی درحقیقت آریہ سماج نے زنا کاری کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کنچنیان جو کہ بازارون مین بیٹھکر اپنے پیٹ پالنے کے لئے زناہ کرواتی ہین ان بیچاریون کا پھر کیا قصور رہ گیا کہ ان کو برا کہا جاوے اگر نیوگ درحقیقت جایز ہے تو انکا کام کچھ اچھا ہی ہے۔ کیونکہ وہ روزی کمانے کے لئے ایسا کرتی ہین اور اپنی عصمت کے بدلہ کچھ پیسے لیتی ہین اور اسطرح

اپنی آخری زندگی کو تباہ کر کے اس دنیا کی زندگی کے لئے کچھ سامان مہیا کرتی ہین - مگر
نیوگ کرانے والی عورت تو نہ صرف اپنی پچھلی یعنی بعد از موت کی زندگی کو تباہ کرتی ہے -
بلکہ اس دنیا کا سامان بھی ضایع کرتی ہے کیونکہ حکم ہے کہ نیوگی مرد کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور
اس طرح اُسے نیوگ کے لئے تازہ کرو اب آریہ صاحبان خود مقابلہ کر لین کہ ایک عورت تو دین
ضایع کر کے دنیا کماتی ہے اور دوسری دین و دنیا ضایع کر کے سوائے ندامت اور رسوائی
کے کچھ بھی حاصل نہین کرتی ان دونون مین سے کونسی مقابلتہً دوسری کے فائدہ مین ہی پھر یہ
دیکھنا چاہئے کہ مرد کی غیرت کسطرح قبول کرے گی کہ اپنے ہوتے ہوئے وہ اپنی بیوی کو دوسرے
مرد سے ہم بستر کروائے اور پھر ساتھ ہی اسکی خاطر بھی کرے - اس زمانہ مین بھی ایسی کئی واقعات
پیش آئے ہین کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو دوسرے سے بے حجاب باتین کرتے ہوئے دیکھکر
ہی اسکو قتل کر دیا اور جبکہ اتنی بات ہی انسان کی غیرت برداشت نہین کر سکتی تو زناہ
کی حالت دیکھکر وہ کب برداشت کر سکیگا - اور اسی حالت کو دیکھکر ہماری مہربان گورنمنٹ نے
بھی ایسے موقعون کے لئے کچھ رعایت کر دی ہے اور ایسا آدمی جو کہ غیرت مین آ کر کوئی
خون کر بیٹھتا ہے اسکے لئے سزا مین کچھ نرمی رکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی
فطرت ہی ایسی واقعہ ہوئی ہے کہ ایسے موقع پر ایک قدرتی جوش پیدا ہو جاتا ہے اور
انسان کبھی برداشت ہی نہین کر سکتا کہ اسکی بیوی اور مرد سے ہم بستر ہو ایک عرصہ ہوا کہ
ایک مقدمہ اس قسم کا پیش ہوا تھا جسمین ایک شخص پر اس لئے کارروائی چلائی گئی تھی کہ
اس نے اپنی بیوی کو زناہ کی حالت مین دیکھکر قتل کر دیا تھا اور ماتحت عدالت نے اسکو
سخت سزا کا حکم دیا گر اپیل ہونے پر جج نے فیصلہ دیا کہ درحقیقت یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ
انسان غصہ کو برداشت نہین کر سکتا اس لئے مین اسکے لئے یہ سزا مناسب نہین سمجھتا بلکہ اگر
وہ عورت پہلی ضرب مین مر جاتی تو مین اسکو سزا قریباً نہ ہی دیتا مگر چونکہ کئی ضربات سے عورت
مری ہے اسلئے مین کچھ سزا اسکو دیتا ہون اب دیکھنا چاہئے کہ انسانی فطرت اس عقیدہ کے
برخلاف ہے جیسا کہ گورنمنٹ کے قانون سے اور روزمرہ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے اور
خود آریہ مت کے پیروان بھی اس نیوگ کے عقیدہ پر عمل کرنیکے لئے تیار نہین ہے تو پھر یہ عقیدہ

عملی رنگ مین لانے کے لئے نہ معلوم پنڈت دیانند نے کیون پیش کیا شاید اسمین کوئی خاص غرض ہو جسکو ہم نہ سمجھہ سکتے ہون ورنہ اور کوئی بات تو نظر نہین آتی اور جب مخلوقات عالم پر نظر کرتے ہین تو سراسر اس عقیدہ کے برخلاف نظر آتا ہے انسانی فطرت اسکو برداشت نہین کر سکتی عقل اسکو نہین سمجھ سکتی اور یہان تک کہ جانور تک اسکو پسند نہین کرتے کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک مرغا جب کچھ مرغیون مین پھر رہا ہوتا ہے اسوقت اگر کوئی اور مرغا ان مین آکر داخل ہو جاوے تو خواہ وہ کمزور ہی کیون نہ ہو اُسپر حملہ کرتا ہے اور اسی طرح کتّا بھی جب اسکے سامنے کوئی ایسا وقعہ پیش آتا ہو تو دوسرے کتّے پر حملہ کرتا ہے۔ پس جب جانور تک اس بات کو بُرا منلتے ہین تو انسانی فطرت اسکو کیونکر برداشت کر سکتی ہے یہ مسئلہ ایسا نہین تھا کہ اسکو دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا اسکو دنیا مین مشتہر کرنے سے آریہ مت نے دنیا پر زناہ کاری کا دروازہ کھول دیا ہے اور انسانون کی اخلاقی حالت پر ایک سخت خوفناک حربہ کیا ہے اور چونکہ یہ ایک گندہ مسئلہ ہے اسلئے اسپر زیادہ لکھنا ہم مناسب نہین سمجھتے اور انکے ایک اور عملی عقیدہ کو لیتے ہین اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک با ایمان آریہ کا فرض ہے کہ وہ مردہ کو جلاتے وقت صندل عود اور کستوری وغیرہ کو کام مین لاے اور یہی نہین بلکہ ڈیڑھ من روغن زرد بھی جلا کر خاکستر کرے مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ عقیدہ ایسا کہ جس پر عمل ہو سکے یا صرف ستیارتھ پرکاش کے صفحو نکو سیاہ کرنیکے لئے گھڑا گیا ہے ہم نہین سمجھہ سکتے کہ کتنی آریہ اسپر عمل کر سکتے ہین یا کرتے ہین اور غریب آدمی اسپر کسطرح عمل کر سکتا ہے۔ یا آریہ مت کے لحاظ سے غریب آریہ نہین ہوتا اگرچہ پنڈت دیانند نے اسکے لئے جو کہ اپنی چیزون کو مہیا نہ کر سکے قاعدہ تو مقرر کر دیا ہے اور ایک تجویز اسکو ایسی بتائی ہے جس سے وہ کامیاب ہو جاوے مگر وہ اصل حکم سی بھی زیادہ مشکل ہے وہ یہ کہ ایسا شخص بھیک مانگے یا گورنمنٹ سے مدد چاہے مگر جبتک کہ وہ غریب جسکے ہان موت ہوگئی ہو قریباً ڈیڑھ سو روپیہ مختلف شہر و دیار مین پھر کر اور پیسہ پیسہ اور کوڑی کوڑی جمع کرکے لائیگا لاش سڑ جائیگی اور خاصکر طاعون کے دنون مین کہ وبائی ہوا کی وجہ سے دوسری لاش بھی جلدی جلدی سڑ جاتی ہین اور طاعون کے بیمار کی لاش تو چوبیس گھنٹہ کے اندر خراب ہو جاتی ہے پھر ایک لمبی عرصہ کی کوشش اور محنت کی بعد جو ایک شخص روپیہ جمع کر کے لایا بھی تو وہ کس کام آئیگا لاش تو پہلے ہی خاک ہو جائیگی

اور دوسری تجویز جو کہ گورنمنٹ سے مانگنے کی لکھی ہی وہ اور بھی عجیب ہی کیونکہ اول تو ایک عرضی گورنمنٹ کیخدمت مین دیجاوے کہ مجھے فلان فلان چیزین چاہئین اور پھر وہان سے منظوری ہو اور پھر روپیہ ملے اس صورت مین بھی لاش سڑ جائیگی اور تعفن اور سڑاند کیوجہ سے دوچار اور کو بھی ساتھ لے جائیگی جنکے لئے پھر بھیک مانگنی یا گورنمنٹ کے پاس امداد کے لئے درخواست کرنی پڑیگی اور دوسرے یہ کہ اگر گورنمنٹ ہر ایک لاش کے لئے دو دو سو روپیہ دینے لگی تو کام چل چکا جبکہ ابھی آریہ صاحبان چیختے اور چلاتے ہین کہ ٹیکسون سے رعایا پس گئی ہے تو اس صورت مین نہین معلوم اور کتنے ٹیکس لگانے پڑینگے بلکہ پھر بھی خزانہ کو نقصان ہی ہوگا اور اگر گورنمنٹ ایسا منظور بھی کرے اور اس سے نقصان بھی ہو تو کل کو سکھ اُٹھینگے کہ ہمارے مردہ کے جلانیکے لئے پانسو روپیہ کی حاجت ہے اور پھر سناتن دہرم کہینگے کہ ہمارے مردہ کے لئے ہزار روپیہ کی حاجت ہے اور اس طرح گویا کہ گورنمنٹ کا کام مردہ جلانا ہی رہ جائیگا جو کہ اسکی شان سے بعید ہے اور پھر جنگون کے موقعہ پر یہ قانون کس طرح چل سکیگا کیونکہ وہان تو ایک گھنٹہ مین ہزارون خون ہو جاتے ہین اگر وہان کستوری گھی عود اور صندل جلانے لگے تو لڑائی کے دوسرے اخراجات سے زیادہ تو یہی خرچ پڑجائیگا اور پھر اسوقت جبکہ سامان وغیرہ کا پہنچانا آگے ہی مشکل ہو جاتا ہے اگر عود اور صندل کے تو بار بھی جانے شروع ہو گئے تو لڑائی مین فتح پا چکے غرضیکہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو کہ عمل مین قطعاً نہین آسکتا اور نہ معلوم پنڈت دیانند نے ایسا عقیدہ بیان کرنے مین کیا مصلحت سوچی تھی پھر ایک اور حکم ہے کہ چاہئے کہ ایک با ایمان آریہ چار سو سال کی عمر پا کر مرے اور یہ ایک ایسا حکم ہے کہ جسپر خود پنڈت دیانند بھی عمل نہین کر سکا اور چونکہ پنڈت دیانند نے اسکو ایمان کا معیار مقرر کیا ہے اسلئے ہم نہین کہہ سکتے کہ خود انکی کیا حالت ہوگی کیونکہ انہون نے ایک نیچ آریہ کی عمر بھی نہین پائی جسکی بابت انہون نے خود لکھا ہے کہ دو سو سال کی ہونی چاہیے پس جس تعلیم پر کہ خود معلم عمل نہ کرسکے اسپر دوسرا کب عمل کر سکتا ہے اور اب تک اگر اور کوئی آریہ اس کا ثبوت دیتا تو ہم مان بھی لیتے کہ درحقیقت ایسا دنیا مین ہوتا ہے مگر جسوقت تک تاریخ یہ بتاتی ہے اسوقت تک ہمین کوئی ایسا آدمی نہین

معلوم ہوتا جس نے آریون کے اصول پر عمل کرکے چارسو یا کم کم دو سو سال کی عمر بھی پائی ہو بیس ان باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے زبانی جمع خرچ کے آریون کے پاس اور کچھ نہیں ہے وہ مسائل جن پر صرف ایمان لانے کی ضرورت ہی مثلاً روح اور مادہ کا خدا کی طرح ازلی ہونا اور تناسخ وہ تو ایسے لغو ہین کہ دہریہ مین اور آریون مین کوئی فرق نہین رہتا اور وہ مسائل جنپر عمل کرنیکا آریونکو حکم دیا گیا ہے ایسے بودے ہین اور انپر عمل کرنا اسقدر مشکل بلکہ ناممکن ہی کہ خود آریہ مت کا بانی اور اسکے چیلے بھی اسپر عمل نہین کرسکے جیساکہ نیوگ اور مردہ کے جلانیکے قواعد اور پھر چارسو سال کی عمر کا پانا غرضیکہ یہ مذہب سر سے پیر تک ایسی ہی باتون سے بھرا ہوا ہے اور نہ معلوم ان لوگون مین باوجود اسقدر نقایص ہونیکے دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے کی جرأت کیونکر پیدا ہوئی اور خاصکر اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب پر بے بنیاد تہمتین لگانیکا خیال انکے دلوں مین کیون کر سمایا۔ . . . . حالانکہ انکو چاہئے تھا کہ خود اپنے مذہب مین اسقدر نقایص اور غلطیان دیکھکر کسی اور مذہب کی طرف رجوع کرتے اور جسطرح ہوتا کوشش اور سعی سے آخر اس بات کو دریافت کرلیتے کہ کونسا مذہب سچا ہے اور اسصورت مین امید قوی تھی کہ خدا تعالیٰ جو کہ رحیم و کریم ہے آخر ان لوگونکو ہدایت دیتا اور گمراہی سے بچاتا اور اس اندھیرے سے جسمین کہ یہ کھڑے ہوئے سرگردان و پریشان ہو رہے ہین نکالکر کسی روشن جگہ کھڑا کرتا یا کم سے کم اگر ان لوگون مین اسقدر ہمت اور دلیری نہ تھی کہ یہ ہا مذہب اختیار کرتے تو خود ہی خاموش بیٹھتے اور بلاوجہ لوگون کا دل نہ دکھاتے اور بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام پر تہمتین نہ لگاتے اور گالیون سے باز رہتے مگر انہون نے ایسا نہیں کیا اور شوخی کا پہلو اختیار کیا اور حلم اور انکسار کو چھوڑ دیا انہون نے کسی آئندہ حساب کتاب کا گمان نہین کیا بلکہ سوچا کہ جو کچھ ہی اسی دنیا مین ہے جیساکہ ہم ثابت کر چکے ہین کہ ان کے عقیدون سے پایا جاتا ہے گالیان دینا اور بزرگون کو برا طرح یاد کرنا تو انکے خمیر مین ہے یہان تک کہ انکے بعض پرجوش ممبرون نے ایسی کتابین لکھی ہین کہ جن سے سوائے حق پوشی اور مسلمانون کا دل دکھانیکے اور کوئی مطلب نہین اور ان کتابون مین ہمارے نبی کریم کو ایسی سخت الفاظ سے یاد کیا گیا ہے کہ سنکر بھی دل کباب ہو جاتا ہے اور

معاً خیال آتا ہے کہ سہ نور می فشاند وسگ بانگ مے زند اور دل میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو دندان شکن جواب دیا جائے اور انکے گندہ اور ناقابل عمل عقاید کو خوب کھولکر انکے سامنے رکھدیا جائے اور پھر ان سے پوچھا جائے کہ کیا یہ تعلیم ایسی ہے کہ اسپر کوئی شریف آدمی عمل کر سکے مگر پھر خیال آتا ہے کہ اس تعلیم کو اچھی طرح سے کھولکر رکھدینا بھی ایک سخت مشکل کام ہے اسلئے نہیں کہ وہ ایک مضبوط دیوار میں ہے اور اسپر حملہ کرنا دشوار ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اسقدر گندی اور فحش ہے کہ دنیا اسکو حیا کے مارے دیکھ نہیں سکیگی اور شریف آدمی اسکو پڑھکر غیرت سے کانپ اٹھیگا کہ کیا یہ تعلیم ہے جو کہ آریہ صاحبان دنیا میں پھیلاتے ہیں اور جسکو یہ لوگ عالمگیر اصول قرار دیتے ہیں اسلئے ہم نے دو تین باتیں انکی بیان کر دی ہیں تاکہ یہ خیال نہ کریں کہ ہمارے مذہب کے قلعہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور خدا کے فضل سے ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آریوں کا خدا اس قابل نہیں کہ اس سے کوئی طالب حق محبت کر سکے نہ تو اس نے ہمکو پیدا کیا ہے اور نہ ہمکو مٹا سکتا ہے نہ وہ رحیم ہے اور نہ ہی وہ ہمکو نجات دیسکتا ہے پس اس میں کسی قسم کا بھی حسن نہیں جسکی وجہ سے ہم اسسے محبت کریں تعلیم وہ ہے جو کہ ناقابل عملدرآمد ہے۔ عقیدہ وہ ہے کہ انسان کو ایک منٹ کے لئے بھی اپنے ذہن میں نہیں رکھ سکتا اور خود اس تعلیم پر چلنے والوں اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کا نمونہ اسقدر برا ہے کہ رہی سہی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے اسلئے ہم اسلام پر ایک مختصر نظر ڈالتے ہیں کہ کیا یہ مذہب بھی باقی تمام مذہبوں کی طرح انسانی دست برد کے نیچے آچکا ہے یا نہیں اور کیا ہمیں بھی ایسی کمزوریاں ہیں جن پر کہ دشمن کے ہاتھ پڑ سکتے ہیں مگر اسکے پہلے کہ میں اسلام کی دوسری باتوں پر نظر ڈالوں اتنا کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے جو دوسرے مذاہب کی نسبت اپنی رائے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام ملکوں اور قوموں کے لئے انہیں کی حالات کے مطابق رسول بھیجے اور انکو ہدایت کی اور وہ باتیں بتائیں جن سے کہ وہ اسکو یعنی خدا کو پالیں اور یہ کہ خدا کی سنت رہی ہے اور اسنے ہر زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک ایسی تعلیم مقرر کی ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے عادات و اطوار کو خدا کے منشا کے مطابق کریں اور جب ایک قوم نے بوجہ کسل سستی اور عیش و آرام کے زیادہ ہو جانیکے خدا تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تو انہی پھر دوبارہ ایسے نبی مقرر کئے جو کہ بندوں کی اصلاح کریں اور انکو پھر اپنے اصل مقام پر لا کھڑا کریں اب اسلام ہمکو بتاتا ہے کہ

کسی قوم پر تب تک عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا جب تک کہ انمیں رسول نہ پیدا کیا جائے جو کہ اُنپر خدا کی حجت کو قایم کرے اور جبتک کہ وہ دلائل عقلی و نقلی سے اور معجزات و الہامات الٰہی سے انپر انکی غلطیوں کو ثابت نہ کردے اور خدا سے ملنے کی راہ کو ان پر آشکارا نہ کردے لوگ مستوجب سزا نہیں ہوتے اسلام ہمکو بتاتا ہے کہ مجھہ سے پہلے بہت سی اور مذہب گزرے ہین جو کہ خدا کی طرف سے ہوئے ہین اور جو مختلف قوموں اور زمانوں کے لئے رہنما تھے اور اسی وجہ سی ہمارا ایمان ہے کہ عیسائی یہود اور ہنود وغیرہ مذاہب اصل میں سچے تھے اور استداد زمانہ سے مسخ ہو کر انکی شکلین بدل گیین اور یہ قرآن شریف کے شروع ہی میں سورتہ الحمد سی بھی ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ ہے الحمد للہ رب العالمین ترجمہ سب تعریفیں ہیں اسکے لئے جو کہ تمام جہانون کا رب ہے اب دیکھنا چاہیے کہ رب کے کیا معنی ہین رب کے معنی ہین وہ ذات جو کہ ایک چھوٹی چیز کو رفتہ رفتہ نشوونما دیکر بڑا کرے اور یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ وہ ایک نطفہ سی انسان بناتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان کی حالت اور عمر کے لحاظ سے سامان مہیا کر کی اسکو ترقی بخشتا ہے یا ایک دانہ کو جب کہ وہ زمین کے اندر پڑا ہوا ہوتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ انسان کے پیرون تلے کچلا جا کر تباہ نہ ہو جاے یا کسی جانور کی خوراک نہ بنے اگاتا ہی اور جب کہ ذرہ سی سبزی دانہ کے باہر نکلتی ہے اسوقت بھی وہ نہایت نازک ہوتا ہے اور اسکے ٹوٹنے یا تباہ ہو جانیکا خطرہ ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ وہان سے بھی اسکو بچاتا ہے اور اسکو غذا دیکر اور بھی بڑا کرتا ہے یہانتک کہ وہ بڑا ہوتے ہوتے آخر خود دانے نکالتا ہے اور کئی بالین اسمین نکلتی ہین جنمین کہ سینکڑون دانے ہوتی ہین۔ غرضیکہ ہر ایک چیز کی ربوبیت کرکے اور اسکے مناسب حال غذا دیکر خدا تعالیٰ بڑا کرتا ہے اور اسی لئے اسکا نام رب ہے پس اس آیت شریف میں ہے کہ سب تعریفیں ہیں۔ اسکے لئے جو کہ سب جہانون کا رب ہے۔ اب ربوبیت کی بھی دو قسمین ہیں ایک تو ربوبیت جسمانی اور ایک روحانی کیونکہ انسان دو چیزون سی مرکب ہے ایک نفس سی جسکو عوام الناس روح کہتے ہین اور اس لئے روح کے نام سے ہی مشہور ہی لیکن قرآن شریف روح کے معنے کلام کرتا ہے اور دوسری چیز جس سے کہ انسان مرکب ہے وہ جسم ہے پس ان دونون کیلئے مختلف قسم کی ربوبیت کی ضرورت ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی ربوبیت کرتا ہے

اور ہر ایک کو کرتا ہے پس اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے صرف اس موجودہ مذہب اسلام سے ہی دنیا کی ربوبیت نہیں کی بلکہ روحانی الوہیت اس سے پہلے بھی وہ کرتا رہا ہے اور مختلف قوموں اور ملکوں مین اسکی طرف سے روحانی طبیب مقرر ہوتے رہے ہیں اسجگہ موجودہ مذہب اسلام کا لفظ جو کہ مینے استعمال کیا ہے اسکے یہ معنی ہین کہ ایک اسلام تو یہ ہے جو کہ نبی کریمؐ کے ذریعہ دنیا پر ظاہر ہوا مگر اس سے پہلے جو مذہب ہو رہے ہین وہ بھی اسلام کے ہی مطابق تھے اور خدا تعالیٰ نے انکا نام بھی اسلام ہی رکھا ہے فرق یہ ہے کہ وہ مکمل نہین تھی اور موجودہ مذہب اسلام ہر پہلو سے مکمل ہے غرضیکہ ربوبیت تو خدا پہلے بھی کرتا تھا مگر اسوقت یہ فرق تھا کہ وہ خاص قومون اور خاص ملکوں اور مقررہ وقتون کے لئے ہوتی تھی اور وہ قواعد روحانی ربوبیت کے جو کہ خدا تعالیٰ نے مقرر کئے تھی وہ ایک مدت کے بعد کچھ تو لوگ بگاڑ دیتے تھے اور کچھ زمانہ کی حالت کی وجہ سے بدلا دئے جاتے تھی اور اسی لئے ہمارا مذہب ہے کہ یہ تمام قومین جو اسوقت گمراہی مین پڑ رہی ہین کسی وقت خدا کے کلام سے مستفیض ہو چکی ہین اور بوجہ سستی اور غفلت کے جو کہ انہون نے خدا کے حکم سے ظاہر کی یہ اس سے دور جا پڑی اور اس درخت کی طرح ہو گئین جو کہ پانی سے دور ہو اور کچھ عرصہ کے بعد بالکل سوکھ جائے اور یہ کل مذاہب کے برخلاف عقیدہ ہے یعنی ہندو عیسائی یہود اور آریہ اس بات کے قابل نہین ہین کہ سوائے انکے کسی اور کو ہدایت ہوئی اور انکے خیال مین انکے اپنی بزرگون کے سوا کسیکو کلام الٰہی سے حصہ نہین ملا حالانکہ یہ صریح ظلم ہے اور زیادتی ہے کہ ایک تو خوب سیر کیا جائے اور دوسرا خواہ بھوک اور پیاس کے مارے تباہ ہو جائے روٹی کے ایک لقمہ یا پانی کے ایک گھونٹ سے بھی محروم رکھا جائے اور چونکہ ہم اسکو ہندوان اور یہودیون کے حصہ مین اچھی طرح لکھ آئے ہین اسلئے یہان لکھنے کی ضرورت نہین غرضیکہ وہ ظلم جو کہ اور مذاہب نے جائز رکھا ہے اسکو اسلام نے مٹا دیا ہی اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام دنیا مین جہان کہین انسانی نسل رہتی ہے خدا نے اپنی طرف رہنمائی کرنیکے لئے سامان مہیا کر دیا ہے اور اپنے بندونکی کمزوری پر ہر جگہ رحم کیا ہے اور یہ بات عقل کے برخلاف ہے کہ خدا نے جسمانی ربوبیت کا سامان تو تمام دنیا کے لئے مہیا کر دیا لیکن روحانی الوہیت کا بالکل خیال ہی نہین کیا اور سوائے ایک قوم کے سب کو اس سے محروم رکھا اور اسی لئے خدا تعالیٰ اپنے کلام کے شروع ہی مین اسبات کی تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ مین ہر قسم کی ربوبیت ہر

جہان کے لوگون کی کرتا ہون اور یہ جو افترا باندھا گیا ہے کہ مین کسی اور کی ربوبیت نہین کرتا بلکہ صرف ایک قوم کا ہی متکفل ہون بالکل غلط ہے بلکہ مین تو تمام جہانون کا ربوبیت کرنے والا ہون اب خواہ وہ ربوبیت جسمانی ہو اور خواہ روحانی اسجگہ مخالف ایک اعتراض کر سکتا ہے کہ جب اسلام نے کبھی نجات اسلام پر ہی منحصر رکھی ہے تو ربوبیت تمام جہان کی کہان گئی مگر اسکا جواب صاف ہی کہ گو خدا تعالیٰ نے آیندہ کے لئے اسلام پر ہی نجات کا دار و مدار رکھا ہے مگر پھر بھی یہ اعتراض نہین پڑ سکتا کیونکہ خدا نے شریعت کا دروازہ بند کیا ہے اور وہ بھی اسلئے کہ شریعت کامل ہو گئی ہے ورنہ الہام الٰہی کا دروازہ تو بالکل کھلا ہے اور جو شخص کہ جایز طریقہ سے اسکا فایدہ اٹھانا چاہے اٹھا سکتا ہے یعنی اسلام مین داخل ہو کر اور نبی کریم کی سنت کی اطباع کر کے ایک شخص خدا تعالیٰ سے مکالمہ و مخاطبہ کر سکتا ہے حالانکہ دوسرے مذاہب کا خیال ہے کہ سوائے ان لوگون کے جو کہ انکے آبا و اجداد تھے اور کسیکو یہ درجہ نصیب نہین ہوا پس انکین تو ربوبیت کا دروازہ غیر مذاہب والون پر بلکہ خود ان پر بھی بند ہے اور اسلام مین یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہی اور اب بھی ہم مین ایک ایسا شخص موجود ہے جس سے کہ خدا کلام کرتا ہے اور اپنی پاک آواز اسکو سناتا ہے اور اسکے سبب سے اور لوگ بھی اسکے غلامون مین سے ایسے موجود ہین جو کہ الہام الٰہی سے مستفیض ہین اور اسکے کلام کی سچائی آتھم کی وجہ سے عیسائیون اور یہودیون پر اور لیکھرام کی وجہ سے آریون اور سناتن پر ثابت ہے اور اب اگر وہ نہ مانین تو اسمین نہ تو اس خدا کے بندہ کا کچھہ قصور ہے اور نہ خدا کا ہی ظلم ہے انپر حجتین قایم ہو چکی ہین اور عذاب الٰہی کا دروازہ کھل رہا ہے اور کھلنے والا ہے چونکہ اسجگہ مین نے آتھم اور لیکھرام کا نام لیا ہے اسلئے اسکی بابت کچھہ لکھدینا ضروری سمجھتا ہون آتھم ایک عیسائی تھا جسکی سرشت مین گالیان دینا اور مسلمانون کا دل دکھانا بھرا ہوا تھا اور اس نے ایک موقع پر نعوذ باللہ دجال کا لفظ نبی کریم کے لئے استعمال کیا جسپر حضرت **مسیح موعود** نے اسکو مباہلہ کے لئے بلایا اور اسکے لئے پیشگوئی کی کہ اگر رجوع الی الحق نہ کیا تو تجھپر خدا کا عذاب نازل ہوگا اور تو پندرہ ماہ کے اندر اس دنیا سے اٹھا لیا جائیگا اسلئے کہ تو نے نبی کریم کے لئے دجال کا لفظ استعمال کیا ہے مگر اس نے یہ سنتے ہی اپنے کانون پر ہاتھہ رکھا اور اس لفظ کے کہنے سے مکر گیا اور پیشگوئی کا رعب اسکے دلپر ایسا پڑا کہ وہ اس عرصہ

ہیں بھاگتا پھرا اور اپنے دوستوں کو کہتا تھا کہ مجھ پر تین دفعہ حملہ کیا گیا ہے ایک دفعہ تو ایک پڑھے ہوئے سانپ نے مجھپر حملہ کیا اور دو دفعہ مسلح سپاہیوں نے مگر ناظرین پڑھے ہوئے سانپ کی حقیقت خوب سمجھ سکتے ہیں اور گورنمنٹ انگریزی کی عملداری ہیں مسلح آدمیوں کا حملہ کرنا بھی سمجھ ہیں آسکتا ہے جبکہ ہتھیار رکھنے کی قطعاً ممانعت ہے اور پھر دن کے وقت اور لدھیانہ جیسے شہر ہیں جہانکہ اسکا داماد ایک معزز عہدہ پر نوکر تھا۔ پس یہ باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ وہ پیشگوئی سے اسقدر خایف تھا کہ اسکی قوت متخیلہ نے اسکے سامنے ایسے نظارہ پیش کئے اور یہی اسکے ڈرنے کی علامات تھیں جسکی وجہ سے وہ میعاد کے اندر سزا سے بچ گیا مگر چونکہ اس نے میعاد کے بعد یہ ٹھنین لگائیں کہ مجھپر حملہ کئے گئے اور مجھکو مارنے کی فکر کی گئی اور حق کو چھپانا چاہا اسلئے اسکو قسم کے لئے بلایا گیا اور کہا گیا کہ اگر تو اپنے دل ہیں خایف نہیں ہوا اور پیشگوئی کا رعب تیرے دل پر نہیں چھا رہا تھا تو تو آکر قسم کھا جسکے جواب ہیں عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے مذہب ہیں قسم کھانا منع ہے حالانکہ پولس رسول نے قسم کھائی ہی اور یہ صرف ایک ڈھکونسلا تھا اور اسکی سزا ہیں یہ ہوا کہ آتھم پھر پندرہ مہینے کی میعاد ہیں مر گیا اور اس سے پہلے یہ اعلان ہو چکا تھا کہ چونکہ اسنے حق پوشی کی ہے اسلئے یہ اب بھی سزا سے بچ نہیں سکتا اور یہ صاف بات ہے۔ کہ اگر وہ توبہ نہ کرتا اور دل ہیں خایف نہ ہوتا جیسا کہ خود اسنے روتے ہوئے اپنے دوستوں کے سامنے اسکا اقرار کیا تو پیشگوئی ایک طرح سے لغو ہو جاتی کیونکہ خدا نے یہ کیوں شرط لگادی جبکہ اس نے توبہ ہی نہیں کرنی تھی تو چاہیے تھا کہ خدا صاف ظاہر کرتا کہ اس میعاد ہیں یہ مر جائیگا مگر چونکہ اسنے خایف ہونا تھا اس لئے یہ شرط لگائی گئی اور اسطرح دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں ایک تو وہ خایف ہوا اور دوسرے جلدی مر بھی گیا جیسا کہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ اگر قسم نہ کھائیگا تو سزا پائیگا اور اس طرح اسکی موت سے نہ صرف عیسائیوں پر ہی حجت پوری ہوئی بلکہ یہودیوں پر کیونکہ انکا اصل ایک ہی ہے اور دونوں ایک ہی شریعت پر عملدرآمد کرنیوالے اپنے آپکو ظاہر کرتے ہیں گو عمل نہ کریں اور اب ہیں دوسری پیشگوئی کا بیان کرتا ہوں یعنے وہ جو لیکھرام کی نسبت .... کی گئی تھی یہ پیشگوئی اسطرح ہوئی ہے کہ لیکھرام جو کہ آریوں کا ایک زبردست چلتا پرزا تھا جب اسلام کو برا بھلا

کہنے مین حد سے زیادہ گزر گیا اور نبی کریم کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کرنے لگا۔ تو اسوقت مخالفت کے جوش مین حضرت مسیح موعود کو بھی کہا کہ اگر تمہارا خدا سچا ہے اور وہ تمکو اپنے کلام سے مستفیض کرتا ہے تو میری نسبت کوئی عذاب کی پیشگوئی کرو۔ اور چونکہ اس شخص کے کلام سے اور تحریر سے مسلمانون کے دلون کو سخت صدمہ ہوا تھا اور ان کے جگر اسکے جھوٹے دعوون اور نبی کریم کو گالیان دینے سے چھد گئے تھے اور کمزور اعتقاد کے مسلمان قریب تھا کہ ڈگمگا جائین کیونکہ ان کو اپنے دین سے اسقدر واقفیت نہین تھی کہ مخالف کو اعتراض کا جواب دے سکین اور اس شخص نے اسلام کی خوبیون کو برائی کے رنگ مین رنگین کر کے ایسی الفاظ مین پیش کیا کہ وہ حیران ہو گئے اور سوائے خاموشی کے کچھ جواب نہ دے سکے اور اس لئے ضروری ہوا کہ اسکے باطل دعوون کو لوگون پر کھولدیا جاے اور اسکی لاف و گزاف کو ظاہر کر دیا جائے اور اسی لئے حضرت مسیح موعود نے خدا سے دعا کی اور وہان سے یہہ جواب ملا کہ چھ برس کے اندر عید کے دوسرے دن یہ شخص قتل کیا جائیگا چنانچہ یہ پیشگوئی عام طور پر شایع کی گئی اور چونکہ لیکھرام شرارت مین حد سے زیادہ گزرا ہوا تھا اس لئے اسکی واسطے توبہ کا دروازہ بند تھا اور کوئی شرط اس پیشگوئی مین نہ تھی اور قطعی فیصلہ تھا کہ چھہ برس کے اندر عید کے دوسرے دن یہ شخص قتل کیا جائیگا اور اس نے بھی اسکو ایک بناوٹی بات سمجھکر ایک پیشگوئی شایع کی کہ مرزا صاحب تین برس کے اندر مر جائینگے۔ مگر اس نے تو دیکھ لیا کہ وہ پیشگوئی غلط ہوئی اور دنیا گواہ ہے کہ بجائے مرزا صاحب کے فوت ہونیکے وہ اب تک زندہ ہین اور ایک بڑی جماعت انکے ماتحت ہو گئی ہے جسکی تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی ہے مگر اس بات کی تمام دنیا گواہ ہے کہ اس پیشگوئی کے پانچوین سال جبکہ ایک ہی سال پیشگوئی مین باقی رہ گیا تھا عید کے دوسرے دن عصر کیوقت وہ قتل کیا گیا اور قاتل کا ابتک پتہ نہین لگا۔ کہ وہ کون تھا حالانکہ اسکے مکان کے ارد گرد ایک شادی ہو رہی تھی اور دروازہ پر بہت سے لوگ کھڑے ہوے تھے اور پھر وہ قاتل اپنا چہرہ اور تہبند بھی وہین چھوڑ گیا اور ان قرائن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ کوئی فرشتہ تھا تمام ہندوستان چھان مارا گیا بڑے بڑے مسلمانون کی تلاشیان لی گئین مگر قتل کا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا بعض بیدرد دشمنان اسلام نے مسلمان بچون کو زہر آلود

مٹھائیان کھلا کر مار ڈالا یہانتک کہ بیسیون بچے ملک پنجاب مین اسطرح بیدردی سے ہلاک کیے
گئے کہ الامان۔ مگر پنڈت لیکھرام کا خون جو دھبہ آریہ سماج اور کل وید کے پیروان کے دامن پر
لگا گیا وہ نہ ابتک مٹا ہے اور نہ آیندہ مٹیگا گو پنڈت لیکھرام کا خون آریون مین ایک جوش پیدا کر
گیا لیکن ساتھ ہی ثابت کر گیا کہ اسلام خدا کی طرف سے ہی اور آریہ سماج اور دوسری ویدک مذاہب
محض باطل و مصنوعی راہین ہین اور یہ بھی ثابت کر گیا کہ خدا کا کلام اب بھی اپنے نیک بندون پر نازل ہوتا ہے
اور اسکی ربوبیت اب بھی اسلام مین عام ہے اب مین ثابت کر چکا ہون کہ یہ عقیدہ جو اور مذاہب کا ہے
کہ سوائے ہماری قوم کے چند افراد کے اور کسی کو الہام نہین ہوا اور وہ بھی اب آیندہ کے لئے بند
ہے بالکل غلط ہے اور اسلام مین اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور اسکا ثبوت آجکل کے زمانہ مین بھی موجود
ہے جیسا کہ لیکھرام کی اور آتھم کی موت اور یہی ایک خوبی اسلام کی سچائی کی کافی دلیل ہے اور آیندہ
اور بحث کی ضرورت نہین مگر مین چاہتا ہون کہ حتی الوسع وہ اعتراضات جو غیر قومون پر پڑتے ہین
(وہ جو کہ مین پیچھے ذکر کر آیا ہون) ان سے اسلام کو پاک ثابت کر کے دکھلاؤن اور یہ بتلاؤن کہ اسلام
تمام خوبیون کا مجموعہ ہے اب مین تناسخ کے مسئلہ کو لیتا ہون جسکو مین ثابت کر آیا ہون کہ یہ ایک لغو
مسئلہ ہے اور انصاف کے برخلاف ہے اس مسئلہ کی اسلام نے سخت تردید کی ہے اور ثابت کیا
ہے کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے نہین مگر اسکے ساتھ ہی اسلام ہمکو ایک اور تناسخ بتاتا ہے جو کہ ایسا
خوبصورت ہے کہ نہ تو وہ انسانی فطرت کے برخلاف ہے اور نہ ظلم کے لفظ کا اسپر اطلاق ہو
سکتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے انسان کے لئے تین جونین بھگتنی مقرر کی ہین یعنی انسانی حالت کی
تین درجہ مقرر کئے ہین ایک تو نفس امّارہ پھر نفس لوّامہ اور تیسرے نفس مطمئنہ یہ تین حالتین
ہین جن مین سے کہ انسان کو گزرنا پڑتا ہے نفس امّارہ تو وہ انسانی حالت ہے جبکہ انسان
گناہ کرتا ہے۔ اور بدیون مین گھرا ہوا ہوتا ہے اور نفس لوامہ وہ حالت ہے جبکہ انسان اس درجہ
تک ترقی کر جاتا ہے کہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو ساتھ ہی اسکے پھر اس گناہ سے پچھتاتا بھی ہے
اور نفس مطمئنہ وہ انسانی حالت ہے جبکہ ایک انسان گناہون کے دائرہ سے نکل کر حالت اطمینان
مین ہو جاتا ہے اور اسکو شیطانی حملون اور برے خیالات سے نجات ملجاتی ہے یہ تین حالتین ہین
جو کہ انسان پر وارد ہوتی ہین میرا خیال ہے کہ شاید اس مسئلہ سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ ہوگا جس سے

بگڑ کر یہ تناسخ کا مسئلہ نکل آیا اگرچہ ایسا لطیف اور پر معنے ارشاد سوائے اسلام کے اور کسی مذہب مین نہین پایا جاتا اگر شاید کوئی اس عقیدہ سے ملتا جلتا عقیدہ ان مذہبون مین بھی ہو مین یہ نہین مان سکتا کہ بالکل یہ عقیدہ ان لوگون مین ہوگا کیونکہ اگر یہ ہوتا تو کبھی ان لوگونکو یہ غلطی نہ پڑتی اور یہ لوگ کبھی بھی تناسخ کے قائل نہ ہوتے کیونکہ یہ بالکل سیدھا اور سادہ ہی اور پھر انسانی فطرت کے مطابق ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پہلے مذہب بھی ناقص تھے اور کامل نہ تھے اسلئے اچھی طرح سے انمین یہ عقیدہ بیان نہین کیا گیا اور کسی دھوکے کیوجہ سے ہندو وغیرہ تناسخ کے قایل ہوگئے اور میرے اس خیال کی تائید بدھ کا یہ عقیدہ بھی کرتا ہی کہ انسانون کے چار درجہ ہین ایک تو وہ جسمین کہ انسان بار بار تناسخ کے پھیر مین آتا ہے اور دوسرا وہ جسمین کہ انسان صرف ایکدفعہ جون کے چکر مین آتا ہے اور تیسرا وہ جسمین ہو کر انسان کبھی نہین لوٹتا اور چوتھا تیسرے کا کمال ہے۔ یعنی بہت ہی پاک لوگون کا درجہ اور یہ عقیدہ اظہار کرتا ہے کہ ان لوگون مین بھی کچھ ایسی بات تھی جسکو کہ یہ تعلیم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اچھی طرح ظاہر نہین کر سکے اور آخر اسلام نے جو کہ کامل مذہب ہے اسکو انسان پر کھولدیا۔ اور اس محبت کے تعلق کو جو کہ وہ خدا سے رکھتا تھا اس عقیدہ سے اور بھی بڑھا دیا۔ بدھ کے اس مذکورہ بالا عقیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہان تناسخ سے مراد وہ جونون کا چکر مراد نہین جسکے یہ لوگ قایل ہین کیونکہ جب ایک درجہ ایسا بھی رکھا گیا ہے جس درجہ کا انسان دوبارہ دنیا مین ایک دفعہ ہی آتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ دوبارہ آنا حالی ہے یا بالفاظ دیگر حالت کے تغیر کا نام ہے کیونکہ اگر درحقیقت انسان دنیا مین دوبارہ آئے۔ تو پھر گناہ کریگا کیونکہ اسکو معلوم تو ہے ہی نہین کہ مین دنیا مین کس گناہ کی سزا مین آیا ہون پس پھر وہ جونون کے چکر مین آجائیگا مگر اس عقیدہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک دفعہ آئیگا زیادہ دفعہ نہین پس یہ جسمانی تغیر نہین بلکہ روحانی تغیر ہے یعنی جب اس درجہ پر انسان پہنچ جاتا ہے تو اسکو صرف ایک جون لینی پڑتی ہے اور وہ نفس لوامہ کو چھوڑ کر نفس مطمئنہ کو اختیار کر لیتا ہے مگر صفائی کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ اگر بیان کیا ہے تو صرف اسلام نے ہی بیان کیا اور اسلام کو ہی فخر ہے اسبات کا کہ اسنے یہ راز انسانی مدارج کا دنیا پر ظاہر کیا اور وہ علم و معرفت اس عقیدہ مین بھر دی جس سے کہ دوسری مذاہب بالکل کورے تھے اور انمین اسقدر کمال ہی نہ تھا کہ وہ اسکو دنیا پر ظاہر کر سکین اور پھر یہ بھی تحقیقاً نہین کہ آیا اس کے قریب قریب کوئی عقیدہ بھی ان مین تھا کہ نہین کیونکہ اسپر کوئی تاریخی شہادت

؎ بدھ نے ایک اشٹانگ مارگ مقرر کیا ہو۔ اس کے معنے ہین کہ آٹھ قسم کی ریاضت روحانی و جسمانی اور یہ عقیدہ اسی اشٹانگ مارگ سے نکلتا ہی۔

نہین صرف میرا ایسا خیال ہی کہ بودھ کا تناسخ کے متعلق عقیدہ شاید اسکے قریب قریب ہو اور بوجہ تعلیم کے ناقص ہونیکے وہ دوسرے الفاظ اور دوسرے معنون مین استعمال کیا گیا ہو جیسا کہ مین اوپر لکھ آیا ہون بہرحال سلام نے اس عقیدہ کو ایسے طریق اور ایسے روشن پیرایہ سے بیان کیا ہے کہ انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اب مین اپنے اصل مطلب کی طرف لوٹتا ہون اور وہ یہ کہ اسلام نے ہمکو ایسے عقیدی کے متعلق رہنمائی کی ہے جس سے کہ انسان بہت کچھ روحانی ترقی کر سکتا ہے اور وہ کمزوریان اور نقایص جو کہ انسان مین بوجہ اسکے طبعی خاصہ کے ہوتے ہین اس عقیدہ پر ایمان لانے اور اسکی معارف پر غور کرنے سے خود بخود دور ہو جاتے ہین مین اس مسئلہ کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین سمجھتا کیونکہ ہمارے امام و مرشد نے جلسہ مہوتسو کے موقعہ پر ایک لیکچر تحریر کیا تھا اور اسمین خوب اچھی طرح اور واضح طور سے اس مسئلہ کو حل کیا تھا اور ثابت کیا تھا کہ یہ مسئلہ سوائے اسلام کے اور کسی نے اسطرح نہین بیان کیا کہ جس سے انسان ہدایت پا سکے اسلئے جو صاحب اسکی نسبت مفصل علم حاصل کرنا چاہین وہ اس لیکچر کو پڑہین اور اب مین خدا تعالیٰ کے متعلق سلام کا عقیدہ بیان کرتا ہون دیکھنا چاہئے کہ دنیا کا جو مذہب ہے (بشرطیکہ وہ خدا کا قایل ہو) اگرچہ خدا کے کتنے ہی شریک ٹھیراتا ہو مگر آخر توحید کا قایل ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح آخری نقطہ پر پہنچ کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہی کہ خدا ایک ہے اسوقت کے مشہور مذاہب کا ذکر مین پہلے کر چکا ہون انمین سے عیسائیت توحید کی سخت دشمن ہے مگر انمین بھی یہ عقیدہ ہے کہ باپ بیٹا روح القدس تین خدا ہین مگر نہین تین نہین ایک خدا ہے اور اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ انہون نے مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی انکو فطرت کے تقاضے سی مجبور ہو کر کوئی ایسا طریق ایجاد کرنا پڑا ہے جس سے توحید مین خلل نہ آئے پھر ہم دیکھتے ہین کہ ہندو بھی باوجود کروڑون بت ماننے کے اپنے آپ کو ایک ہی خدا کے قایل بتاتے ہین اور یہود اور آریہ بھی توحید کے عقیدہ پر ہی زور دیتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کا عقیدہ انسان کی فطرت کے موافق ہے اور گو کہ امتداد زمانہ سے کسی مذہب مین کتنا ہی شرک ترقی کر جائے مگر پھر بھی اسکے پیرو توحید کو نہین چھوڑتے اور ہم پیچھے ثابت کر آئے ہین کہ توحید ہی درحقیقت سچ ہے اور وہ لوگ جو شرک کرتے ہین غلطی پر ہین اور اب ہم دیکھتے ہین کہ سوائے اسلام کے توحید پر کسی نے زور نہین دیا اور نہ کسی مذہب نے توحید کا ثبوت دیا ہے۔ عیسائی اگر ایک طرف توحید کے قایل ہین

توساتھ ہی تثلیث پر بھی ایمان رکھتے ہیں یہودیوں نے اگرچہ توحید میں کوئی خرابی نہیں پیدا کی لیکن انہوں نے
شرک کی بیخکنی بھی نہیں کی اور نہ ہی توحید پر زور دیا ہنود توحید کو ماننے کی ساتھ ساتھ بت پرستی بھی لازم
قرار دیتے ہیں اور آریہ جو کہ توحید پر اپنا پورا یقین بتاتے ہیں۔ روح اور مادہ کو ازلی مانکر عملی طور سے
اسکا انکار کرتے ہیں یہ فخر صرف اسلام کو ہی ہے کہ وہ خدا کا شریک کسی کو نہیں ٹھیراتا اور شرک
کی بیخکنی کرتے ہوئے توحید پر زور دیتا ہے ہاں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہ عملی طور
سے توحید کو قایم کر کے بت پرستی سے باز رکھتا اور خدا کی طرح کسی کو ازلی ابدی نہیں قرار دیتا اگرچہ تمام
مذاہب نے توحید کو چھوڑ دیا۔ لیکن اسلام کے خدا نے ہر ایک مسلمان کے دل میں اس عقیدہ کو اس طرح
داخل کر دیا ہی کہ وہ نکل ہی نہیں سکتا خود خدا تعالیٰ کا نام ہی اسلام میں وہ رکھا گیا ہے جسکا کوئی شریک
نہیں ہو سکتا وہ نام اللہ ہے یعنی تمام نیک صفات خوبیوں اور طاقتوں کا مجموعہ اور یہ نام کسی اور
مذہب نے اپنے خدا کو نہیں دیا یہ ایک ایسا پیارا نام ہے جو کہ اُس ذات پاک کی تمام خوبیوں اور احسانوں
کو انسان کے دل پر کم اسطرح نقش کر دیتا ہے کہ اسمیں سے محبت کا ایک تیز شعلہ نکل کر اس
دوئی یا شرک کو جلا دیتا ہے جو کہ انسان کے ساتھ ایک خفیہ دشمن کی طرح لگا رہتا ہے اور ایک صلاحیت
رکھنے والا انسان اس نام کو اپنی زبان پر لا کر بیچین ہو جاتا اور محبت کے درد کو محسوس کرتا ہے
کیونکہ معاً اسکو خدا تعالیٰ کی خوبیاں اور اسکے محاسن کا ایک مختصر نقشہ یاد آتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی
طاقتوں پر نظر کرتا ہے تو اسکی بڑائی جبروت شوکت اور صولت کو دیکھکر حیرت میں آجاتا ہی اور
دنگ رہجاتا ہے اور جب اپنی کمزوری بے بساطی بیکسی بے بسی پر نظر کرتا ہے تو حیرت تعجب اور
دیدبہ محبت کے گداز کر دینے والی گرمجوشی میں بدل جاتے ہیں اور اسوقت انسان نہیں جانتا کہ میں اس
محبت کو کسطرح ظاہر دل اور وہ محبت ایسی زبردست ہوتی ہی کہ انسانی دل اسکو سما نہیں
سکتا اور آخر آنسوؤں کے رنگ میں اسکو کسی قدر ٹھنڈا کیا جاتا ہے پھر انسان خدا تعالیٰ کی بزرگی
پاکی اور قدوسیت پر نظر کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی گنہگاری غفلت اور سستی کو جا پرکھتا ہے تو پھر وہی
پہلی حالت اسپر طاری ہوتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ اس مشت خاک پر یہ احسانات سوائے
اس رحیم و کریم ذات کے اور کون کر سکتا ہے اور کسکی طاقت ہے کہ ہماری گناہوں کو بخشنے اور پھر ساتھ
اسقدر انعامات کرے کہ ان تو الگ رہی اگر ہزار سال تک ہمارا ہر ایک ذرہ ان کو گننے تو بھی

ناممکن ہے کہ گن سکے غرضیکہ اللہ کا نام زبان پر آتے ہی انسان کے دل و دماغ محبت کی زنجیر مین پڑے جاتے ہین اور جتنا اس نام کی وسعت پر غور کرو اتنا ہی اسلام کی سچائی کا یقین دل مین پختہ ہو جاتا ہے اور یہ اسلام کے خدا کی طرف سے ہونے پر ایک بین دلیل ہے کیونکہ کسی اور مذہب نے خدا کی صفات اور طاقتون کا اسطرح بیان نہین کیا تھا اور صرف اسلام نے ہی اس بحر بے کنار کو ایک چھوٹے سے لفظ مین بند کیا ہے کہ اگر اسکی تشریح کی جائے تو خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر سمندر سیاہی ہونگی ختم ہو جائین تب بھی وہ ختم نہ ہو اور انسان کی طاقت ہی نہین کہ اسکو بیان کر سکے صرف خدا تعالیٰ ہی قادر ہے کہ اپنی صفات اور طاقتونکو بیان کر سکے، اور اسی کا کام ہے کہ اس نے ایک اللہ کے لفظ مین سب کچھ بھر دیا۔ اور چونکہ سوائے اسلام کے تمام مذاہب ناقص اور ناکمل تھے اسی لئے انمین یہ لفظ نہین پایا جاتا اور ان مین ایسا کوئی لفظ نہین جو کہ اس لفظ کا قائمقام ہو سکے اور اس لئے وہ توحید کے ثابت کرنے مین قاصر رہے مگر اسلام چونکہ کامل اور مکمل مذہب ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اسمین یہ لفظ رکھدیا کہ جس سے شرک کی سخت بیخکنی ہوتی ہے اور وہ شخص جو کہ خدا یا پرمیشور کو اللہ مانتا ہو ممکن ہی نہین کہ شرک پر یقین رکھی یا بدعتون کو جایز ٹھیرائے پس جیسا کہ اسلام نے ایک ہی لفظ سے شرک کا درخت جڑ سے اکھیڑ دیا اسطرح تمام مذاہب باوجود اپنے تمام دعوں اور لاف و گزاف کے نہین کر سکے ہیں کیا اسلام نے توحید کو دنیا پر ثابت کیا ہے یا دوسرے مذاہب نے کوئی عقلمند بھی ان کھلے کھلے دلائل کے ہوتے ہوئے یاور نہین کر سکتا کہ غیر مذاہب نے شرک کی اسقدر بیخکنی کی ہے جسقدر کہ اسلام نے بلکہ اس کے پاسنگ بھی نہین کی اور ایسے لفظ کا ان مین نہ ہونا ان مذاہب کے ناکمل ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جب خدا کی ہستی کو پوری طرح ظاہر کرنیوالا لفظ بھی ان مین نہین تو وہ اس ہستی کو سمجھ ہی کس طرح سکتے ہین اگر کسی اور زبان مین ایسا لفظ انکے موعود ذہنی پرمیشور یا خدا کے لئے موجود ہی تو اسکو پیش کرکے ہمکو جھوٹا ثابت کرین ناظرین یہ لفظ ایسا وسیع ہے اور خدا کی ہستی کا مفہوم اسطرح بیان کرتا ہے کہ ایسی ہستی مانکر جسکا نام اللہ ہو ہم شرک قطعاً نہین کر سکتے کیونکہ علاوہ ان صفات اور قوتون کے جو کہ اس نام مین ہین اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ہستی جسکا یہ نام ہے اسکا کوئی شریک نہین پس اسلام نے یہ نام بتاکے دنیا پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے جسکا انکار کرنیوالا خدا اور مخلوق دونون کے نزدیک سخت گنہگار رہے اب ہم یہ تو ثابت کر چکے ہین کہ اسلام نے ایک اللہ کے لفظ سی

سی شرک کی جڑ اکھیڑ دی ہے اور اسکے علاوہ خدا تعالیٰ نے توحید کو مسلمانون کے دلون مین کئی طرح بٹھایا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہین کہ مسلمان جب سے پیدا ہوتا ہے اسکو توحید کا سبق دیا جاتا ہے ایک بچہ کے پیدا ہوتے ساتھ ہی اسکے کان مین آذان کہی جاتی ہے جسمین کہ صاف طور سے ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ یعنی مین گواہی دیتا ہون کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہین اور اس طرح گویا کہ بچہ کے کان مین اسوقت جبکہ وہ ابھی دنیا مین داخل ہی ہوا ہوتا ہے توحید الٰہی کا کلمہ پھونکا جاتا ہے اور جس طرح جسمانی ترقیات کرنیکے لئے وہ پہلا قدم رکھتا ہے اسی طرح اسکو روحانی ترقیات کی طرف بھی بلایا جاتا ہے اور اسکے کانون کو ان محبت کے الفاظ سننے کا مشتاق بنایا جاتا ہے جن کا سننا اسکی آیندہ روحانی ترقی کے لئے لازمی امر ہوتا ہے پھر ایک مسلمان کو دن مین کئی دفعہ خدا تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا پڑتا ہی ایک نماز مین ہی بیسیون دفعہ اللہ کا نام لینا پڑتا ہے جو کہ شرک کا قاتل ہے اور نمازین دن مین پانچ دفعہ پڑھنی پڑتی ہین اور پھر ہر ایک نماز کے وقت اذان اور اقامت کہی جاتی ہین جو کہ خود توحید کی تعلیم دینے والی ہین پھر ہر شادی اور غمی کے موقع پر اور تعجب و حیرت کے موقعہ پر ہمارے لئے ایسے الفاظ مقرر کئے گئے ہین جن کہ توحید کا مفہوم خوب اچھی طرح سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ خوشی کے وقت الحمد للہ کا کلمہ زبان پر لانا جسکے معنی ہین کہ سب تعریف ہی واسطے اللہ کے اور اس طرح غم کے موقعہ پر انا للہِ وانا الیہ راجعون ط کا کہنا جسکے معنی ہین کہ ہم اللہ کے لئے ہی ہین اور ہم اسی کی طرف لوٹینگے پھر تعجب و حیرت کے موقع پر سبحان اللہ کہنا یعنی پاک ہی اللہ پس ہمارے ہر کام مین اُٹھتے بیٹھتے توحید کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر جب ایک شخص اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونے لگتا ہے اسوقت بھی اس سے یہی کہلایا جاتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ۰ پس ان باتون پر غور کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہی اس واحد خدا کی طرف سے ہی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے تب ہی تو اسمین توحید کا اسقدر لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ دوسرے مذاہب نے توحید کو دنیا مین پھیلانیکے لئے کوئی وسائل اختیار نہین کئے۔ مگر اسلام نے کئے ہین اور اللہ کا لفظ جو کہ بذات خود شرک کو رد کرنیوالا ہے اسلام نے ہی استعمال کیا ہے اور سوائے عربی کے اور کسی زبان یا مذہب مین اسکا ہم معنے لفظ نہین پایا جاتا اب چونکہ

ہم اپنے اصل مدعا کو ثابت کر چکے ہین اس لئے دوسری بات کو لیتے ہین یعنی کفارہ کی نسبت اسلام نے ہمکو کیا بتایا ہے۔ یہ بات پیچھے لکھی جا چکی ہے کہ کفارہ پر ہی عیسائیت کی عمارت کی بنیاد ہے۔ اور اس مسئلہ کے متعلق ہم کافی طور سے لکھ چکے ہین کہ یہ کسی سچے مذہب کا عقیدہ نہین ہو سکتا اور چونکہ ہم نے اسلام کو سچا مذہب قرار دیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ دکھایا جاوے کہ اس مذہب مین کفارہ کا عقیدہ باطل سمجھا جاتا ہے اور اس کے لئے کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ قرآن شریف مین جو کہ مسلمانون کی پاک کتاب ہے اور جسپر ایمان لانا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے اور جس کے کسی مسئلہ کی نسبت بھی باوجود اس علم کے کہ وہ قرآن شریف مین ہے یہ کہنا کہ ہم اسکو نہین مانتے۔ کفر ہے۔ اسکے متعلق صاف طور سے یہ حکم ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہین اٹھا سکتا اور یہ نہین ہو سکتا کہ ایک شخص کوئی گناہ کرے اور دوسرا اسکو اپنے ذمہ لے لے اور درحقیقت ایسا نہ ہو تو لوگ خدا کا بھی انکار کر بیٹھین اور انکو سخت ابتلا پیش آدین کیونکہ اس طرح مذہب ایک کھیل بنجاتا ہے اور انصاف مین فرق آتا ہے پس اسی لئے خدا تعالیٰ نے اسکو ناجائز ٹھیرایا ہے اور اس بدنما دھبہ سے اسلام کا چہرہ بالکل پاک وصاف ہے اب خدا کے رحمان ہونیکا سوال ہے کہ آیا خدا رحمان ہے یا نہین یاد رکھنا چاہئے کہ صفت رحمانیت کے بہت سے مذہب انکار کرتے ہین مثلاً عیسائی ہنود آریہ وغیرہ اور ان کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ جو کچھ عطا کرتا ہے وہ صرف ہمارے اعمال کے بدلہ مین ہوتا ہے اور کوئی گناہ بخشا نہین جاتا جبتک کہ اسکی سزا نہ مل لے اور اس لئے عیسائیون کو کفارہ کا مسئلہ ایجاد کرنا پڑا ہے یا یہ کہو کہ کفارہ کی تصدیق کے لئے خدا کی رحمانیت کا انکار کیا گیا ہے اور ہنود آریہ اور بدھ مذہب وغیرہ کو خدا کی رحمانیت سے انکار کر کے تناسخ کا بعید از عقل عقیدہ ماننا پڑا ہے کیونکہ ان کو یہ مشکلات پیش آئی ہین کہ چونکہ انسان ضعیف ہے اس لئے وہ گناہون مین پھنسا رہتا ہے اور اگر اسکی سزا مین اسکو دوزخ مین ڈالا جائیگا۔ تو پھر تمام لوگ دوزخ مین ڈالدئے جاینگے اور اسطرح نجات ناممکن ہو جائیگی پس انہون نے سوچکر یہ تناسخ کا مسئلہ نکالا کہ اس دنیا مین ہی بار بار ایسے گناہون کی سزا ملتی ہے اور ہر ایک گناہ یا ہر ایک نیکی کی وجہ سے انسان بدی یا

اچھی جونون مین ہمیشہ جنم لیتا رہتا ہے مگر اس عقیدہ کو ہم غلط ثابت کر چکے ہین اور یہ بھی بتا چکے ہین
کہ اسلام نے صفت رحمانیت کی تائید مین بہت زور دیا ہے اور بر خلاف دوسرے مذاہب
کے اس صفت کو خدا کے لئے ضروری ٹھیرایا ہی بلکہ قرآن شریف کے شروع ہی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم
سے ثابت کیا ہے کہ اسلام انسان کی زندگی کے لئے یہ صفت لازمی اور ضروری ہے اور بغیر اسکے
انسان کی زندگی محال بلکہ ناممکن ہے کیونکہ خدا کی صفت رحمانیت وہ ہے جسکی وجہ سے خدا
بغیر کسی کام کے انسان یا دوسری مخلوقات پر رحم کرتا ہے اور انکی ضروریات کو مہیا کرتا ہی پس اگر
خدا رحمان نہ ہو تو اکدم مین انسان ہلاک ہو جائین کیونکہ ہوا پانی وغیرہ جو کہ ہر ایک جاندار کو میسر ہین اسی لئے
میسر ہین کہ خدا رحمان ہی اور اگر وہ رحمان نہ ہو تو چاہئے کہ ہوا بند ہو جائے اور پانی خشک ہو جائین اور اگر
یہ کہا جائے کہ یہ پچھلے اعمال کی وجہ سے ہے تو یہ اعتراض ہوگا کہ کیا پچھلے اعمال کی وجہ سے ہر ایک کو ہوا اور
پانی ملنے چاہئین کیونکہ کسی نے کم درجے کے اعمال کئے ہین اور کسی نے بہت عمدہ اور کسی نے
گھوڑا بننے کے کام کئے ہین تو کسی نے گدہا بننے کے ہر ایک کے لئے ہوا اور پانی کا مہیا ہونا ظاہر کرتا
ہے کہ یہ اعمال کی وجہ سے نہین بلکہ خدا کی صفت رحمانیت کی وجہ سے ہی کیونکہ دوسری صورت مین ماننا
پڑیگا کہ تمام لوگ ایک دو ایسے کام ضرور کر لیتے ہین کہ اگلی جون مین ہوا اور پانی انکو میسر ہو جائے
مگر جبکہ یہ تو معلوم ہی نہین کہ یہ چیزین کس نیکی کے بدلہ مین ملتی ہین تو انسان ایسے کام کیونکر کرتا ہے اور
کس طرح کر سکتا ہی پس ہر ایک جاندار کیلئے پانی اور ہوا کا مہیا ہونا خدا کی رحمانیت اور تناسخ کے ابطال پر
دلالت کرتا ہی اور پھر ایک اور بات بھی ہی کہ انسان کو دوسرے جانورنپر فوقیت دینا اور گدہے کو سور کی
نسبت اچھا جاننا جو ہی یہ بھی تو خدا کی رحمانیت کا ثبوت ہے جبکہ تناسخ کے ماننے والے جب یہ کہتے ہین
کہ اچھے اعمال کرنیوالا انسان بنتا ہے اور برے اعمال کرنیوالا چوہا ان تو اسطرح گویا کہ وہ انسان کی فضیلت
دوسرون پر بتاتے ہین اور یہ فضیلت سوائے رحمانیت کے ہو نہین سکتی اور اس بات کو ماننے پر کہ انسان کو دوسرے
جانورونپر فضیلت ہے۔ یہ سوال ہوگا کہ خدا نے انسان کو دوسرے جانورون پر فضیلت کیون دی اور اس
کا جواب ہوگا کہ رحمانیت کی وجہ سے پس اسلام ہمکو یہی بتاتا ہے کہ خدا رحمان ہی اور بڑا رحمان ہے
اسنے ہمارے لئے وہ تمام چیزین جو کہ ضروری تھین بغیر ہمارے کسی کام کے مہیا کی ہین اور چونکہ ہم
ضعیف مخلوق ہین اسلئے وہ ہمارے گناہون کو معاف بھی کر دیتا ہی اور اسی وجہ سے ہمارا دل ہر وقت

اسکی طرف جھکتا ہی اور محبت کرنیکے لئے یہ ضروری ہے کہ محبوب محبت کرنیوالے کی خطائین اور کوتاہیان معاف
کرے اور اسکی غلطیون سے در گذر کرے پس اگر خدا ایسا نہ کرتا تو محبت قایم ہو ہی نہین سکتی تھی جب ایک
انسان خدا تعالیٰ کے بیشمار احسانات اور انعامات کو دیکھتا ہے تو خود بخود اسکی طرف جھکتا ہے اور
اسکا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ تمام رکاوٹون کو دور کر کے کسی طرح اس محبوب سے جا ملون جو کہ میری
محبت کا بدلہ دیسکتا ہی اور ایسا خدا صرف اسلام کا خدا ہے وہ رحمان ہے رحیم ہے علیم و خبیر ہی
اور تمام مخلوقات کا خالق ہے اور یہ تمام باتین محبت کے تعلق کو بڑھانیوالی ہے چونکہ وہ
خالق ہے اسلئے سب مخلوقات عالم فطرتاً اسکی طرف جھکتی ہے اور اس کے مخلوق ہونیکی وجہ سے
ہر ایک ذرہ ذرہ اسکی حمد و ثنا مین لگا رہتا ہے اور چونکہ وہ رحمان و رحیم ہے اس لئے اُسکے احسانات
کو دیکھکر کوئی ذی روح نہین جو کہ سجدہ مین نہ گر جائے اور اسکے خیال مین ایسا محو نہ ہو جائے۔
کہ گویا اپنے آپکو بھول ہی جائے بشرطیکہ طبع سلیم رکھتا ہو اور چونکہ وہ علیم و خبیر ہے اس لئے ہر ایک
محبت کرنیوالا دل اسکی اس صفت سے تسلی پکڑتا ہے اور جانتا ہے کہ میری محبت فضول نہین جائیگی اور
چونکہ قادر ہے اسلئے کسی عمل کے ضایع جانیکا انسان کو اندیشہ نہین ہوتا اب ہم دیکھتے ہین کہ کیا اسلام نے
دوسری قومون اور مذہبون کو اپنے مین داخل کرنیکا کوئی طریقہ رکھا ہے یا نہین اور اسکے لئے پہلی ہی
نظر دوڑانے پر ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت مسلمانون مین اسی فیصدی سے زیادہ دوسری قومون اور غیر مذاہب
کے آدمی داخل ہین جس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ اسلام کا خدا بخیل نہین بلکہ چونکہ وہ خالق ہے اس لئے اسنے
اپنی تمام مخلوقات کی رہنمائی کے لئے دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور خود نبی کریم نے اپنی زندگی مین چارون
طرف وکیل بھیجے تا کہ تمام دنیا مین اس بات کی تبلیغ ہو جائے کہ خدا کا وعدہ پورا ہو گیا اور وہ جو کہ ہدایت
اور مرشد کا طالب ہی فایدہ اٹھائے اور قرآن شریف مین بار بار آتا ہے کہ قرآن شریف تمام دنیا کی
ہدایت کے لئے ہی پس یہ اعتراض جو کہ کئی اور مذاہب پر پڑتا ہے کہ انہین ہدایت کا دروازہ بند رکھا گیا
ہے اسلام پر قطعاً نہین پڑتا اور اسوقت ہم ان مذاہب کو بھی جو کہ دوسرے اور لوگون کو اپنی اندر شامل
کرنا جایز سمجھتے ہین یہ پوچھتے ہین کہ کیا ان کی کتابون نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے ہین نہین
قطعاً نہین کسی کتاب نے بھی ایسا دعویٰ نہین کیا مگر قرآن شریف نے یہ دعوے کیا ہے بلکہ دوسری
کتابون مین یہ بھی نہین کہ ہماری تعلیم ہر زمانہ کے لئے ہی اگر کوئی مدعی ہے تو ثابت کرے کہ کسی کتاب نے

Digitized by Khilafat Library

یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں ہمیشہ کے لئے ہوں اور بعد میرے کوئی نبوت اور کتاب کوئی نہیں آئیگی اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی ایسا ثابت نہیں کر سکیگا اور صرف اسلام نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے جیسا کہ ان دو آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً اور الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی جن میں سے پہلے کی نسبت خدا تعالیٰ نبی کریم کو فرماتا ہے کہ تو لوگوں کو یہ آیت سنا جسکے معنی ہیں کہ میں تمام دنیا کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں اور دوسری میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت آخری درجہ تک پہنچا دی یعنی اس دین کے بعد اور کوئی دین نہیں آویگا اور اس دین کو کامل کر کے میں نے اپنی نعمت کو بہر درجہ کمال پہنچا دی ہے پس یہ وہ دعویٰ ہے جو کہ کسی اور کتاب نے نہیں کیا اور غیر مذاہب کا کوئی حق نہیں کہ اپنے مذاہب کو کامل اور ہر زمان و مکان کے مناسب حال قرار دیں اور ان مذاہب کے پیروؤں کا ایسا دعویٰ کرنا گویا کہ مدعی سست اور گواہ چست کی مثال اپنے پر صادق کرنا ہے اور وہ دعویٰ ہرگز ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا کوئی حق نہیں کہ برخلاف اپنی کتاب کے ایک نیا عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کریں اور یہ خصوصیت جو کہ اسلام میں ہے اسکا جواب آریہ بھی نہیں دے سکتے کیونکہ وید جسکو کہ وہ کامل کتاب مانتے ہیں ایسا دعویٰ قطعاً نہیں کرتا اور نہ انکی دیگر پرانی مذہبی کتابوں میں یہ دعوے ہے پس اسلام نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے اور اب مخالفین کو چاہئے کہ ان پر ایمان لائیں کیونکہ کامل کتاب کی ضرورت تو انہوں نے بھی مانی ہے اور ان کی اپنی کتاب کامل نہیں اور ایک قرآن شریف نے ہی یہ دعوے کیا ہے اور اسکے بعد اور کوئی کتاب بھی نہیں آئی پس باوجود اسکے پھر اس سے انکار کرنا ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ تمام دوسرے مذاہب نے ایک مکمل مذہب کی ضرورت تسلیم کی ہے اور اسی لئے ان کے پیروؤں کو ضرورت پڑی کہ اپنے اپنے مذہب کو کامل کہیں مگر وہ مکمل نہیں ہو سکتے کیونکہ نہ تو خود انکی کتابوں میں یہ دعویٰ ہے اور نہ ہی انکی تعلیم کامل ہے پس ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم اسلام کی نسبت ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی مذہب ہے جو کہ اپنی تعلیم میں کامل ہے اور جو ہر زمانہ کے لئے مناسب ہے اور جو کہ ایک طالب حق کو تسلی بخشتا ہے جیسا کہ ہمارے امام نے فرمایا ہے۔ کہ

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

اب دو باتیں رہ گئی ہیں کہ جنکا جواب دینا ہمارے ذمہ باقی ہے ایک تو یہ کہ اسلام کی تعلیم کیسی ہے اور دوسرے یہ کہ اسمیں الہام کا سلسلہ جاری ہے یا نہیں پس پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم جیسی اور کسی مذہب

کی تعلیم نہیں کیونکہ اسلام نے تعلیم مین ہر ایک بات کا لحاظ رکھا ہے اور ہمپر دو حقوق فرض رکھی ہین ایک تو حقوق اللہ اور دوسرے حقوق عباد اور یہی دو حقوق ہین کہ جنپر کسی مذہب کا انحصار ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اپنی زندگی مین صرف دو تعلقات سے کام پڑتا ہے ایک تو وہ تعلق جو کہ خدا سے ہوتا ہی اور دوسرا وہ جو کہ اسکو دوسری چیزون سے ہوتا ہے اور جس مذہب مین ان دونون تعلقات کی نسبت تعلیم پوری ہو اسکو خدا کی طرف سی سمجھنا چاہئی اور ہم دیکھتے ہین کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب نے اس تعلیم کو پورا نہین کیا حقوق اللہ کے پورا کرنیکے لئی ہمپر عبادت اور محبت الٰہی فرض کی گئی ہے اور حقوق عباد کے پورا کرنیکے لئی ہمپر حسن اخلاق اور احسان فرض کیا گیا ہے اور وہ تعلقات جو کہ اس دنیاوی زندگی مین بھی پیش آتے ہین انکی نسبت ایسی احکام دئے گئی ہین کہ جن سی نہ تو ہمارے تعلقات مین فرق آوے اور نہ خدا تعالیٰ کی کسی طرح کی نافرمانی ہو اسجگہ حقوق اللہ کا ذکر کرنا مین نہیں چاہتا کیونکہ مضمون بہت لمبا ہو جائیگا اور اسکے لکھنی کی ضرورت بھی نہین جسکو ان کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو وہ شریعت اسلام سی واقفیت حاصل کری مگر مختصراً یہ کہ نماز پڑہو روزہ رکھو زکواۃ دو حج کرو خدا تعالیٰ سی محبت کرو اسکے نبیون سی اخلاص رکھو ملائکہ پر ایمان رکھو زنا نہ کرو فسق و فجور سی بچو اور اسی طرح اور بہت سے احکام ہین اور حقوق عباد مین پہلے تو انسان کا حق خود اپنی پر ہوتا ہی اسلئے اسکے لئی حکم ہی کہ علم سیکھو اور دین کے ساتھ ساتھ اپنی روزی کا خیال بھی رکھو سوال سی پرہیز کرو تا کہ اخلاق پر برا اثر نہ پڑے پھر والدین کے تعلق کی طرف حکم ہے کہ ان کی فرمانبرداری کرو بیوی کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ پھر اولاد کی نسبت ہی کہ انکی اچھی طرح تربیت کرو بھائیوں اور بہینون کے لئے حکم ہی کہ ان سی نیک سلوک کرو۔ دوستون سی محبت اور اخلاق برتو ہمسایون کا خیال رکھو مسافرون کو مدد و غریبون پر رحم کرو قیدیونکو چھڑاؤ ذ بشرطیکہ انکی اصلاح کی امید ہو) اور گورنمنٹ کی وفاداری کرو غرضیکہ وہ تعلقات جو ایک بندی کی خدا سی ہونے چاہئین اور وہ جو کہ بندون سی ہونے چاہئین ان سب کو اس خوبی سی بیان کیا ہی کہ ایک بد طینت آدمی بھی اگر انپر عمل کری تو فرشتہ بنجائے پس یہ ایسی تعلیم ہے کہ اگر صرف اسلام مین یہی ہوتی تو بھی یہ مذہب اس قابل تھا کہ اسکی پیروی کی جاتی اور یہان تو ایک ایسی بڑی خوبی اسمین موجود ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے بھی اسلام کا انکار کرنا نہایت سخت بے شرمی ہی اور وہ خوبی یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کی طرح الہام کے سلسلہ پر مہر نہین لگائی بلکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ جو کہ ہمارے احکام پر چلے اور نیکی اور تقوی کا بیج اپنی دل مین بوئی اور اخلاص اور محبت کو خدا سی بڑہائے اسکو بلا امتیاز قوم اور بلا خصوصیت ملک ہر ایک زمانہ مین الہام ہو سکتا ہی اور یہ وہ دعویٰ ہی

جسکا مقابلہ اور کوئی مذہب نہین کرسکتا عیسایئت ہی تو وہ الہام سی منکر یہودی مذہب ہی تو وہ الہام کا مخالف۔ ہندو ہین تو الہام کے ہونیسی مایوس اور آریہ کا تو کہنا ہی کیا ہے وہ تو الہام کو ایک فضول اور لغو بات قرار دیتے ہین مگر یاد رکھنا چاہئے کہ الہام ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کہ ہر ایک زمانہ کے لوگون کا دل تسلی پا سکتا ہی اگر کسی زمانہ مین الہام ہوتا تھا تو آج کیون نہین ہوتا کیا خدا پہلے زمانہ مین بولتا تھا اور اب نہین بولتا کیا وہ کسی زمانہ مین سنتا تھا اور اب نہین سنتا وہ کیا بات ہے جسکی وجہ سی وہ اب نہین بولتا ایک طالب حق جو کہ دن رات اٹھتے اور بیٹھتے خدا تعالی کی محبّت مین ہی محو رہتا ہو اسکے لئے یہ کیسی کمر توڑ دینے والی بات ہے کہ خدا نے کسی زمانہ مین کلام کیا تھا مگر وہ اب کسی سی کلام نہین کرسکتا آخر اسکے لئے کوئی وجہ ہونی چاہئے تھی جب بولنا خدا کی صفت ہے تو کیا خدا کی صفات معطل بھی ہو جایا کرتی ہین۔ اگر معطل ہو جاتی ہین تو خدا قادر مطلق اور ازلی ابدی کیونکر ہو سکتا ہی اگر معطل نہین ہوتین تو وہ اب کیوں نہیں بولتا یہ سوال ہین جو کہ ایک محقق کے دماغ مین فوراً گونج اٹھتے ہیں جبکہ وہ یہ عقیدہ سنتا ہے۔ اور اسکا جواب کوئی اور مذہب سوائے خاموشی کے اور کچھ نہین دیتا مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہ اسکا دندان شکن جواب دیتا ہے وہ کہتا ہی کہ جو لوگ سلسلہ الہام کو منقطع خیال کرتے ہین وہ سخت غلطی پر ہین اسلئے یہ سوال ہی لغو ہے خدا بولتا تھا اور اب بھی بولتا ہی چونکہ یہ اسکی صفت ہی کہ وہ بولتا ہی اسلئے یہ معطّل نہین ہو سکتی اور اسلام کا دعوی ہی نہین بلکہ اسکا عملی ثبوت بھی وہ دیتا ہے اور وہ یہ ہی کہ ہر زمانہ مین مسلمانون مین ایسی آدمی موجود رہتے ہیں جو کہ الہام الٰہی سی مستفیض ہوتے ہین اور ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد ہوتا ہی جو کہ الہام کے جھٹلانے والونکی رد مین ایک زندہ دلیل ہوتا ہی اور اسبات کے ثبوت کے لئے کہ آیا کسی شخص کو واقعی الہام ہوتا ہی یا نہیں خدا تعالیٰ نے یہ علامت رکھی ہے کہ ایسا شخص غیب کی خبریں بتاتا ہے اور وہ پوری ہوتی ہین مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لی کہ ہر ایک غیب اسپر ظاہر ہوتا ہے بلکہ میرا مطلب اس سے یہ ہی کہ بعض خبریں غیب کی خدا تعالیٰ پیش از وقت بتاتا ہی تاکہ لوگونکو اس بات کا ثبوت دے کہ درحقیقت یہ شخص جھوٹا نہین ہی بلکہ میری طرف سی ہی اور اسکا دعویٰ سچّا اور بادلیل ہے مگر چونکہ غیب کی خبریں تو بعض دفعہ نجومی اور جوتشی بھی دیتے ہین اور بعض اوقات دیکھا جاتا ہی کہ ان کی باتیں پوری ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ہر موسم میں کچھ نہ کچھ بکتے رہتے ہین آخر کوئی نہ کوئی بات پوری ہونی ہی ہوئی اور پھر یہ کہ ایک کہتا ہے بارش ہوگی دوسرا کہتا ہے کہ نہیں ہوگی آخر ان دونوں میں سی ایک کی بات تو پوری ہوگی پس جسکی بات پوری ہوگئی اسکی دھاک بندھ گئی اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے پاک بندوں اور ان دنیا کے کیڑون کے درمیان فرق رکھا ہے ایک تو یہ ہی کہ نجومی کی بات تو کبھی پوری ہوتی ہی اور کبھی نہیں

ہوتی مگر ان لوگون کی پیشگوئیان ہمیشہ پوری ہو کر رہتی ہین ہاں عذاب کی پیشگوئیان بعض دفعہ ٹل جاتی
ہیں مگر یہ اسوقت ہوتا ہی جبکہ وہ لوگ جن کی نسبت وہ پیشگوئی ہوئی ہو۔ توبہ کرین اور گناہون سی بچیں اور
اپنے پچھلے گناہون کا اقرار کر کے خدا سی عفو مانگین اور اسصورت مین ان کی سچائی اور بھی صفائی سی ظاہر
ہوتی ہی دوسرا یہ فرق ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی پیشگوئیان اپنے اندر ایک خدائی جلال رکھتی ہین جن کے
پورا ہونیسی انکی بڑائی اور ان کے مخالفوں کی ذلت ہوتی ہی پھر ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے
ظہور کیوقت لوگ خواہ مخواہ ان کی مخالفت کرتے ہین حالانکہ نجومیوں کی مخالفت کوئی نہیں کرتا
اور ان کے ساتھ مخالفت کیکا نتیجہ آخر یہ ہوتا ہے کہ دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی انکی
سچائی کی دلیل نصرت الٰہی ہوتی ہی یعنی دعاؤں کا قبول ہونا دوستوں کی تعداد اور فرمانبرداروں کی جماعت
کا بڑھنا دشمنوں کا پے در پے ہلاک ہوتا اور زمینی اور آسمانی شہادتوں کا جمع ہونا غرضیکہ یہ ایسی نشان ہیں کہ
عقلمند آدمی ان سی بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جبکہ وہ ایسا زمانہ دیکھے وہ آسانی سی فیصلہ کر سکتا ہی کہ آیا مدعی
جھوٹا ہے یا سچا اور اسکو خدا کی طرف سی وحی ہوتی ہی یا القای شیطانی ہوتا ہی جیسا کہ ابو بکرؓ نے نبی کریم کا دعوی سنتے
ہی قبول کیا اور فراست سے سمجھ لیا کہ یہ شخص جھوٹا نہین ہو سکتا اور اس زمانہ میں مولوی نور الدین صاحب نے
حضرت مسیح موعود کو فوراً پہچان لیا اور ایمان لائے کہ یہ شخص کاذب نہین اور اسکا بدلہ ان لوگوں کو یہ
ملتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک باقی لوگوں کی نسبت زیادہ مقرب ہو جاتے ہیں مگر باوجود آسان ہونیکے
ایسی لوگوں کا پہچاننا مشکل بھی ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مومن اور منافق میں فرق کرنیکے لئے لوگوں کو
ابتلاء بھی ڈالتا رہتا ہی پس بڑا ہی دلیر ہوتا ہے وہ انسان جو کہ باوجود ابتلاؤن کے ایسے شخص کو قبول
کرتا ہی اور آفات و مشکلات زمانہ سے بالکل بیخوف و خطر رہتا ہی اب مین اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہون
کہ اسلام میں ہر وقت ایسے لوگ موجود رہتے ہین جو کہ وحی الٰہی سے خود بھی مستفیض ہوتے ہیں اور ان کی بدولت
دوسروں کو بھی الہام ہو جاتے ہین اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان کی تصدیق کرین اور الہام
پر یقین کرین کہ یہ بھی کچھ چیز ہے اور عام لوگوں کو بھی ان کے زمانہ میں سچی خوابیں آتی رہتی ہین۔
تاکہ وہ بھی الہام کے وجود میں شک نہ لائیں پس کیا ایسا مذہب قابل قدر ہے جو کہ خدا سے ہمکلام کروا کر
انسان کی تسلی کرتا ہی یا وہ جس میں ہمیشہ کے لئے مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ بند کیا گیا ہے آریہ لوگ
اپنی شوخی کی وجہ سے یہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ کیا خدا بھی کبھی کبھی خوش ہو کر اپنے بندون سے

ملاقات کرتا ہی گران دیدہ دہن مخالفون کو اُس وقت یہ بات بھول جاتی ہے کہ پر پیشور بھی ایک زمانہ میں رشیوں کے ساتھ ملاقاتیں کیا کرتا تھا اگر وہ کوئی عیب کی بات نہیں تو یہ بھی نہیں ہیں افسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو قطعاً خیال نہیں آتا کہ ایک مردہ اور زندہ کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہی یا ایک اندھے یا سوجاکھے کا کیا جوڑ ہے اگر دوسرے مذہب مردہ ہیں تو اسلام زندہ ہے کیونکہ وہ اس زندگی کے پانی سے محروم ہین جو کہ وحی کے رنگ مین اسلام میں ہر دم تازہ روح پھونکتا ہی اور دوسری مذاہب اگر اندھے ہین تو اسلام سوجاکھا ہے کیونکہ دوسرے مذاہب کی روحانی آنکھیں وحی کی روشنی سے محروم ہین اور اسلام کی آنکھوں میں دن رات وحی والہام کی روشنی کا سرمہ ڈالا جاتا ہے اگر انسان غور کرے تو یہ بات سمجھ مین آنی کچھ مشکل نہیں ہی کہ وحی کے بغیر محبت کامل ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ کیا ثبوت ہے کہ خدا قادر ہے اور وہ سنتا بھی ہی اور دیکھتا بھی ہے جبکہ ہمکو کوئی جواب ہی نہین ملتا تو ہمارے پاس اسکی ہونے نہ ہونیکی کیا دلیل ہے اور جبکہ ہمکو اسکے وجود کا یقین نہین تو اُس سے ہماری محبت کامل کیونکر ہو سکتی ہے پس محبت کے کامل ہونیکے لئے الہام کی سخت ضرورت ہی اور یہ زندہ ثبوت اسلام کے پاس ایسا موجود ہی جسکی مقابلہ مین دوسری مذہب کچھ بھی نہین پیش کر سکتے اگر غور کیا جائے تو وحی ایک پانی کے چشمہ کی طرح ہی اور مذاہب درختوں کی طرح پس اسلام تو وہ درخت ہی جو کہ عین چشمہ میں کھڑا ہے اور جسکی جڑ مین ہر وقت پانی جذب ہوتا رہتا ہی جس کی وجہ سے وہ درخت تازہ اور سرسبز رہتا ہی اسکی ٹہنیاں نرم پتے سبز پھول خوشبودار اور پھل شیرین اور تازہ ہین مگر دوسرے مذاہب اس درخت کی طرح ہین جو کہ پانی کی بہت ضرورت رکھتا ہو اور خشکی سے اسکی چھال گر رہی ہو اور جس کے ارد گرد کوسون تک پانی کا نام و نشان نہ ہو اور جسکے پتے گر گئے ہون پھل کبھی لگا ہی نہ ہو پس کیا وہ درخت جو کہ چشمہ مین ہے نفع رسان ہے یا وہ جو کہ خشک کھڑا ہی۔ سبز درخت سے تو بہت سی فائدہ اٹھائے جا سکتے ہین مگر اس خشک درخت سی سوائے ایندھن کے اور کیا کام لیا جا سکتا ہے اب مین اپنی مضمون کے خاتمہ پر پہنچ گیا ہون کیونکہ مین نے ثابت کیا ہے۔ کہ غیر مذاہب کے خدا اس قابل نہین ہین کہ ان سے محبت کی جائے اور انکی تعلیم ایسی ناقص ہے کہ انسان اُسپر عملدرآمد نہین کر سکتا مگر ساتھ ہی یہ بھی ثابت کر چکا ہون کہ اسلام پر کوئی اعتراض نہین پڑتا اور اسلام کی تعلیم انسانی فطرت کے مطابق ہی اور خدا قادر مطلق ہے اور کل عیوب سے پاک ہے اور سب سے بڑی خصوصیت اسلام مین یہ بتائی ہی کہ اسمین محبت کرنیوالے کو بالکل صاف

جواب نہیں لیتا بلکہ خدا تعالیٰ اسکے امتحان کے بعد اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس محبت کی گرمی کو جو کہ محبت کرنیوالے کی دل میں ہر ایک چیز کو جلا رہی ہوتی ہے اپنی تسکین دہ کلام سے ٹھنڈا کرتا ہی اور اس سوزش اور جلن کو دور کرتا ہے جو کہ جواب کے نہ ملنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح محبت اور بھی چمک اٹھتی ہے۔ اور انسان کے دل میں ایک جوش پیدا ہوتا ہی کہ میں خدا کے اور بھی قریب ہو جاؤں اور اسطرح بڑھتے بڑھتے وہ یہانتک نزدیک ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسکی نسبت فرماتا ہی اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ یعنی تو مجھ سے ہی اور میں تجھ سے ہوں اور اسکا مطلب یہ ہوتا ہی کہ میرا نام دنیا میں تیرے سبب سے ظاہر ہی اور تیری عزت میری سبب سے ہی اور درحقیقت خدا تعالیٰ کے نام کا جلال دنیا پر ظاہر کرنیوالے یہی لوگ ہوتے ہیں جو کہ اسکی محبت کے دریا میں غرق ہوتے ہیں اور ان کی عزت صرف اسوجہ سے ہوتی ہی کہ وہ خدا سے محبت کرتے ہیں بس محبت الٰہی کے لفظ پر جسقدر سوچتا ہوں اسقدر ایک خاص لذت اور وجد دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیارا ہے مذہب اسلام جس نے ہمکو ایسی نعمت کی طرف ہدایت کی ہے جس سے ہماری دل روشن اور ہمارے دماغ منور ہوتے ہیں اسلام کی تعلیم ہمارے زخمی دلوں کے لئے ایک مرہم کا کام دیتی ہے۔ اور اگر اسلام نہ ہوتا تو بجز طالب حق تو زندہ ہی مر جاتے اور وہ جن کے دلوں میں محبت کا ذوق ہی انکی کمر ٹوٹ جاتی اور محبت ایک ناممکن چیز سمجھی جاتی اور اسکو وہم سے موسوم کیا جاتا کیونکہ جب لوگ دیکھتے کہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس سے کہ ہم محبت کر سکیں تو وہ محبت کو وجود میں شک لانیکے سوا اور کیا کر سکتے خدا نے اسلام سا مذہب انسان کو عطا کر کے غمگین دلوں کو تسکین دی ہے اور زخمی سینوں کو مرہم عنایت کی ہی جب ایک خدا سے محبت کرنے والا انسان دیکھتا ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہوں ایک، ذرہ ذرہ کو دیکھتا ہی اور دلوں کی باتوں کو جانتا ہی وہ سنتا ہے اور بولتا ہے اور پھر یہ کہ وہ اسبات پر قادر ہی کہ اپنے سے محبت کرنیوالے کو بدلہ دی تو اسوقت وہ اپنی دل میں اس محبت کی وجہ سے ایک خوشی حاصل کرتا اور خاص لذت محسوس کرتا ہے اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ہم سب کو خدا کیساتھ اخلاص اور محبت نصیب ہو اور وہ لوگ جو کہ گمراہ ہیں ہدایت پائیں اور اس ہستی سے محبت کریں جو کہ محبت کے لائق ہے + آمین -

خاکسار میرزا محمود احمد

احمدیوں کے قتل کا فتویٰ

قریباً ایک ماہ یا کچھ زیادہ عرصہ ہوا۔ کہ میں نے ایک آرٹیکل اِس مضمون کا اخبار بدر میں دیا تھا۔ کہ امیر صاحب جب کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے علیگڈھ کے موقعہ پر کہا ہے۔ تو کیا وجہ کہ احمدی فرقہ پر وہ نظر نہیں اور کیا وجہ کہ انہوں نے صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کو صرف اِس لئے کہ وہ جہاد کے منکر اور حضرت میرزا صاحب کے مرید ہیں سنگسار کرایا۔ بلکہ پتھر پھینکنے میں خود بھی حصہ لیا اور یہی نہیں بلکہ اُن کی لاش کو دفن کرنے کی بھی ممانعت کی اور اِس کے علاوہ اُن کے اہل وعیال کو نہایت سختی سے قید کر کے خوست سے روسی سرحد کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور ان کا تمام مال ومتاع اُن سے چھین لیا گیا اور امیر صاحب نے ان غریب مزاج انسانوں کا اتنا بھی لحاظ نہ کیا جیسا کہ عید الضحیٰ کی تقریب پر انہوں نے گائے کا کیا۔ اور اس کے بعد امیر صاحب سے میں نے جواب مانگا تھا۔ کہ وہ اس بات پر روشنی ڈالیں تاکہ وہ حیرانی اور تعجب جو کہ ملک ہند میں امیر صاحب کی اس بے تعصبی کی وجہ سے پھیل رہا ہے وہ دور ہو۔ کیونکہ لوگ سخت حیرت میں ہیں۔ کہ وہاں تو وہ سنگدلی اور یہاں یہ بے تعصبی اور صرف ہندوستانی پبلک میں ہی یہ بات تعجب کی نظروں سے نہیں دیکھی گئی بلکہ میرے مضمون کے بعد ایک انگلش لیڈی نے بھی ایک پُرزور آرٹیکل سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شایع کرایا اور اُس میں امیر صاحب کی اِس بے تعصبی پر سخت حیرت ظاہر کی اور لکھا کہ یہ بات ماننے کے قابل نہیں کہ امیر صاحب ہندوستان میں اس قدر بے تعصبی دکھلائیں اور اپنے ملک میں وہ ظلم کہ میرے سامنے وہاں دو آدمی صرف اس لئے سنگسار کئے گئے کہ امیر صاحب سے کچھ مذہبی اختلاف رکھتے تھے۔ اور جو زمانہ کہ وہ انگلش لیڈی بتاتی ہے قریباً وہی ہے جس میں کہ عبد الرحمٰن اور صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید کئے گئے تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں شخص جنکا وہ حوالہ دیتی ہے مولوی عبد الرحمٰن اور صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب ہی ہیں مگر ان دونوں مضمونوں کا جواب امیر صاحب نے کوئی نہ دیا۔ اور وہ الزام جو کہ ان پر لگائے گئے تھے اُن کا

رد قطعاً نہیں کیا اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اسی بات پر ایک مضمون پایونیر میں شایع کیا لیکن اس پر بھی وہی خاموشی رہی جو کہ پہلے دو مضمون پر تھی - مگر باوجود امیر صاحب کی اس خاموشی کے - ایک سرحدی مولوی صاحب ان کی طرف سے میرے مضمون کا جواب دیتے ہیں اگرچہ مجھ کو راقم مضمون کے سرحدی ہونے میں تو کچھ شبہ ہی ہے - کیونکہ اس اخبار کے ساتھ جس میں کہ میرے مضمون کا جواب دیا گیا ہے (سراج الاخبار جہلم) مولوی کرم الدین بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں جن کے خیال میں جھوٹ بولنا کچھ بڑی بات نہیں کیونکہ پیچھے ایک مقدمہ ہوا تھا جس میں کہ مولوی کرم الدین صاحب نے جھوٹ کی تائید میں بہت کچھ زور لگایا تھا - مگر اس مضمون کا راقم کوئی ہو اس سے ہمیں بحث نہیں - سوال یہ ہو کہ کیا امیر صاحب کی طرف سے ان سرحدی مولوی صاحب کو جواب دینے کا کوئی حق تھا اگر میرے مضمون کو جواب دینے کا بہت ہی شوق تھا تو خود اپنی طرف سے جو چاہتے لکھتے مگر یہ کہنا کہ امیر صاحب کی طرف سے ایک گستاخ مرزائی کو جواب کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا - امیر صاحب تو کہیں کلکتہ یا بمبئی میں سیر و تماشہ دیکھ رہے تھے ان کو اس مضمون سے کیا غرض - مگر بہرحال ہم اس مضمون کا جواب دیتے ہوئے اس بات کو مان لینگے کہ امیر صاحب کی طرف سے یا ان کے ایما سے یا ان کے اعتقاد کے موافق یہ جواب دیا گیا ہے -

پہلی بات جو راقم مضمون نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ امیر صاحب پر اعتراض کرنیوالے شخص نے یعنی میں نے صرف قرآن و حدیث سے - بے خبر ہونے کی وجہ سے یہ اعتراض کیا ہے کہ باوجود اس کے کہ امیر صاحب اپنے آپ کو سب فرقوں کے لئے یکسان مہربان بتاتے ہیں صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کو کیوں قتل کیا گیا - کیونکہ انہوں نے یہ کام مخبر صادق کی پیشگوئی کے عین مطابق کیا تھا - جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں آتا ہے - کہ عن علیؓ سمعت النبیؐ یقول سیخرج قوم فی آخر الزمان حدثاء الاسنان سفہاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ لا یجاوز ایمانہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ فاینما لقیتموہم فاقتلوہم فان فی قتلہم اجراً لمن قتلہم یوم القیمۃ ٥ یعنی علی رضی عنہ سے روایت ہے کہ قریب ہی ایک قوم آخر زمانہ میں پیدا ہوگی جو کم عمر ناقص العقل ہوگی - ظاہر میں تو وہ ایسا کلام پڑھینگے جو تمام دنیا کے کلاموں سے اچھا ہے مگر اصل میں ان کے

نرخرون سے نیچے ایمان نہیں اتریگا وہ دین سے اس طرح دور نکل جائینگے جیسے کہ تیر شکار کے جانور میں سے نکل جاتا ہے پس تم ان کو جہان پاؤ قتل کر دو کیونکہ ان کے قتل کرنیکی وجہ سے قاتل کو قیامت کے دن ثواب ہوگا - اور اس حدیث کو احمدی فرقہ پر چسپان کر کے سرحدی مولوی ظاہر کرتا ہے کہ یہ قتل تو عین مطابق منشاء خدا اور رسول ہوا ہے اور در حقیقت یہ لوگ اس قابل ہیں - کہ جہان ملیں قتل کر دیئے جاویں

ان کے نشانات میں سے راقم مضمون ایک یہ بھی نشان بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسی نماز پڑھینگے - کہ تم لوگ (صحابہ) اپنی نماز کو ان کی نماز کے آگے حقیر جانو گے اور یہ لوگ قرآن شریف پڑھینگے مگر وہ ان کے نرخرون کے نیچے نہیں اتریگا - جیسا کہ ابوسعید رضؓ کی حدیث میں آیا ہے - اور پھر یہ لکھتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ ہماری نمازون سے اچھی نمازیں پڑھتے ہیں اس لئے معلوم ہوا - کہ در حقیقت احمدی فرقہ ہی اس حدیث کا مصداق ہے - اور جو کچھ امیر صاحب نے کیا وہ ٹھیک کیا - مگر افسوس کہ راقم مضمون کو اس مضمون کے لکھتے ہوئے بوجہ اس بغض و عناد کے جو کہ یہ لوگ احمدیون سے رکھتے ہیں حضرت علی رضؓ کی حدیث کا پہلا حصہ بھول گیا - کہ میں آسمان سے نیچے گر پڑنا اچھا سمجھتا ہون بہ نسبت اِس کے کہ نبی کریم پر جھوٹ باندھون اور وہ حدیث بھی بھول گئی جو کہ صحیح بخاری کتاب العلم میں مسلم بن اکوع سے روایت ہے کہ من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار یعنی جو کوئی میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے افسوس اگر راقم مضمون جھوٹ کو کچھ گناہ سمجھتا تو اس طرح آنکھیں بند کئے نبی کریم پر اس قدر تہمت نہ لگاتا - کیا راقم مضمون کو معلوم نہیں کہ یہ حدیث کیسا گئی ہے کیا اس کو ابوسعید الخدری کی حدیث معلوم نہیں جو کہ بخاری باب قتل الخوارج حضرت علی رضؓ کی حدیث کے پاس ہی ہے جس میں صاف طور سے لکھا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ آیتھم رجل احدی یدیہ او قال ثدیہ مثل ثدی المرأۃ او قال مثل البضعۃ تدردر یخرجون علیٰ حین فرقۃ من الناس قال ابوسعید اشہد سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم **واشہد ان علیا قتلھم** وانا معہ جیئ بالرجل علی النعت الذی نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ان لوگون کی نشانی یہ ہوگی کہ انمیں ایک ایسا شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی کی طرح یا یون فرمایا کہ گوشت کے تھل تھل کرتے لوتھڑے کی طرح ہوگا یہ لوگ پیدا ہونگے جب مسلمانون میں پھوٹ پڑی ہوگی - ابوسعید رضؓ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہون کہ یہ بات میں نے نبی کریم سے سنی اور یہ بھی گواہی

دیتا ہوں کہ علیؓ نے ان لوگوں کو قتل کیا اور میں علیؓ کے ساتھ تھا - جبکہ وہ شخص لایا گیا اور اُس کی وہی شکل تھی جو کہ آنحضرت نے فرمائی تھی - پس اے راقم مضمون کیا یہ نبی کریم پر تہمت نہیں ہے - کہ انہوں نے ایک بات کسی اور قوم کے لئے فرمائی تھی - تو تو اُس کو اور گروہ پر لگاتا ہے اِس مضمون کے لکھتے ہوئے اگر کچھ خدا کا خوف کیا ہوتا تو بہتر تھا - یہ حدیث پوری ہو چکی اور جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑی تھی اسی وقت خوارج کا ظہور ہوا تھا - پھوٹ پڑنا تو اُس وقت بولا جاتا ہے - جبکہ پہلے اتفاق ہو

کیا اس **وقت لوگوں میں اتفاق ہے** یا اس سے کچھ پہلے زمانہ اتفاق تھا کہ یہ حدیث ہم پر چسپاں کی جائے - افسوس کیا دنیا سے ایمانداری اٹھ گئی ہے - کیا ایمان ثریا پر جا چڑھا ہے کہ آپس کی فریبوں اور مکروں کو چھوڑ کر لوگ نبی کریم پر بھی تہمت لگانے لگ گئے ہیں اور یہ مذکورہ بالا حدیث تو اس قدر صاف ہے - کہ اس میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا علیؓ روایت کرتے ہیں پھر ابو سعیدؓ بھی وہی حدیث روایت کرتے ہیں اور ساتھ اُن کی نشانی بیان کرتے ہیں - اور پھر گواہی دیتے ہیں کہ میں نے یہ پیشگوئی پوری ہوتی ہوئی بھی دیکھی اور حضرت علیؓ نے اُن لوگوں کو قتل کیا ہے اور وہ شخص جو کہ نشانی کے طور پر نبی کریم نے بتایا تھا - اس کی لاش بھی اُن لوگوں میں پائی گئی - پس باوجود اِن تمام باتوں کے یہ حدیث ہم پر لگانا سخت جہالت یا جھوٹ سے نہیں تو اور کیا ہے - اور پھر اسی باب قتل الخوارج میں ایک حدیث ابن عمرؓ سے ہے - کہ انہوں نے سہل بن حنیف سے پوچھا کہ کیا تم نے خوارج کے باب میں آنحضرت سے کچھ سنا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے آپ سے سنا ہے - آپ نے عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا کہ یخرج منه قومٌ یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیهم یمرقون من الاسلام مروق السهم من الرمیه یعنی عراق سے کچھ ایسے لوگ نکلینگے جو قرآن شریف کو پڑھینگے مگر ان کی ہنسلیوں کے نیچے نہیں اتریگا - وہ لوگ اسلام سے نکل جائینگے جس طرح کہ تیر شکار کے جانور میں سے نکل جاتا ہے پس اس جگہ بھی وہی حدیث ہے اور سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عراق کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ لوگ اِس ملک میں سے نکل لینگے اور اس پیشگوئی کے مطابق خوارج کا عراق سے ظہور ہوا - پس کیا ہی تعجب کی بات ہے کہ نبی کریم فرماتے ہیں - کہ وہ لوگ عراق سے نکلینگے اور عبداللہ ابن ذی الخویصرہ تمیمی کے قبیلے میں سے ہونگے اور اس وقت ہونگے جبکہ مسلمانوں میں نفاق پڑیگا - اور پھر صحابہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ خوارج ہیں - یہانتک کہ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو حضرت علیؓ نے قتل کیا اور میں نے ان میں اُس آدمی کی لاش دیکھی جسکی نسبت نبی کریم نے ارشاد فرمایا تھا - کہ ایک آدمی ان میں

ایسا ہوگا اور ساتھ ہی محدثین بھی اس پیشگوئی کو خوارج پر لگاتے ہیں۔ جیسا کہ بخاری نے ان تمام حدیثوں کو قتل الخوارج پر چسپان کیا ہے۔ مگر سرحدی مولوی صاحب ان سب کا انکار کر کے زبردستی احمدیوں پر لگاتے ہیں اور شاید یہی دینداری اور تقویٰ ہے جسکی وجہ آپ کو مولوی کا خطاب ملا۔ افسوس ایسے ہی زمانے کے لئے نبی کریم نے فرمایا تھا۔ کہ علم اس وقت اٹھ جائیگا جب کہ عالم نہ رہینگے اور جاہلوں کو عالموں کی جگہ دی جائیگی۔ پھر ایک عجیب بات اور ہے۔ کہ سرحدی مولوی صاحب **صرف یہ نشانی ان لوگونکی بتاتے ہیں** کہ قرآن پڑھینگے اور اصل میں ان کو ایمان نہ ہوگا۔ اور ابوسعید رضؓ کی بتائی ہوئی نشانی کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے دعویٰ کو باطل کرتی ہے۔ حالانکہ ابوسعید رضؓ کی حدیث سے ملا کر ہی حضرت علی کی حدیث کے معنے سمجھ میں آتے ہیں۔ کیونکہ اگر قرآن شریف ٹھیک طرح پڑھنا اور نماز اچھی طرح پڑھنا ہمیشہ ایسے لوگون کی نشانی ہوتا۔ تو تمام بزرگ نعوذ باللہ اس حکم کے نیچے آجاتے اور خود انحضرت تہجد کی نماز میں اس قدر دیر تک کھڑے ہوتے تھے کہ اُن کے پیر سوج جاتے تھے اور آپ پسند کرتے تھے کہ قرآن شریف خوش الحانی سے پڑھا جاوے اور خود امام بخاری جنہوں نے یہ حدیث لکھی ہے۔ نماز میں اس قدر محو ہو جاتے تھے۔ کہ ایک دفعہ بھڑ نے سترہ دفعہ کاٹ کھایا اور پتہ نہ لگا جیسے بخاری کے حالات میں لکھا ہے پس نمازون کا درست کر کے پڑھنا ان کی نشانی نہیں ہو سکتی اصل میں بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ معترض نے دیدہ دانستہ حدیث کے اس حصہ کو چھوڑ دیا ہے جس میں اُس نکلنے والی قوم کی علامتیں بتائی تھیں اور اس لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ آپ بھی کا یجاوز تراقیہم کے مصداق ہیں۔ اور پھر ایک امر بات بھی ہے کہ جب ان لوگون کے خیالات ہماری نسبت ایسے ہیں کہ حدیث کسی اور قوم کے لئے ہے اور لگاتے ہمارے پر ہیں اور پھر ہم پر قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ تو ہماری جانیں تو ہر وقت سراج الملت (**جیسا کہ یہ امیر کو کہتے ہیں**) کے ہاتھون سے خطرہ میں ہیں۔ اور خود ایسا عقیدہ رکھنے والون کے ہاتھون سے بھی۔ کیونکہ جب یہ ہمارے قتل کو ثواب سمجھتے ہیں تو کیا تعجب کہ یہ ہمارے قتل کی خفیہ سازش کرتے ہون اور اس لئے گورنمنٹ کو چاہئے کہ ان لوگون پر نگاہ رکھے اور کیا تعجب ہے کہ یہ اسی طرح بگاڑ کر کسی اور حدیث کے معنے یہ نکالتے ہون کہ انگریز بھی واجب القتل ہیں۔ اور اس طرح ان لوگون کے ہاتھون سے سخت فساد کا اندیشہ ہے اور بعید از قیاس نہیں کہ انہیں لوگونکی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے سرحد پر آئے دن انگریزون کا خون ہوتا ہو جن کے پر امن سایہ میں تیس کرڑ در ہند و مسلمان۔ سکھ اور عیسائی آرام

سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ان کا خونی مہدی کا عقیدہ میرے خیال کی تصدیق کرتا ہے اور خدا کے فضل سے ہمکو اس بات پر فخر ہے کہ ہم اس عقیدہ سے بالکل پاک ہیں کیونکہ جب ہم نے ایک مسیح کو مانا ہے تو اس صورت میں ایک اور خونی مہدی کا قایل ہونا گویا کہ اپنے آپ کو جھوٹا ٹھہرانا ہے۔ اور چونکہ ہم ہی اسوقت خونی مہدی کے قایل ہیں اس لئے یہ لوگ ہمکو کافر دجال اور مرتد کہتے ہیں اور ہماری جان کے درپے رہتے ہیں جیسا کہ صاحبزادہ عبد اللطیف کا واقعہ ظاہر کرتا ہے اور پھر عبد الرحمن کا واقعہ اس کی اچھی طرح سے تائید کرتا ہے۔

اب میں دوسری بات کو لیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سرحدی مولوی صاحب اپنی تائید میں یہ فرماتے ہیں کہ لوگ نمازیں ہم سے اچھی پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مرزا صاحب قرآن شریف سے عمدہ جانتے ہیں اور ان جیسے نکات کوئی سمجھا ہی نہیں اور اسکے لئے مجھکو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم مرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی مسعود مانتے ہیں پس آپ لوگ جو عقیدہ قرآن کے فہم کے متعلق مسیح و مہدی کی نسبت رکھتے ہیں وہی ہم مرزا صاحب کی نسبت رکھتے ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ وہ مسیح مہدی نہیں ہیں تو یہ ایک دوسرا سوال ہوگا اور بہرحال جب ہم ان کو مانتے ہیں کہ وہ مسیح و مہدی ہیں تو وہی درجہ اُن کو دینگے جو کہ خدا اور رسول نے اُن کے لئے مقرر کیا ہے۔

پھر سرحدی مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق چونکہ صاحبزادہ عبد اللطیف اور مولوی عبد الرحمن صاحب کو قتل کیا گیا تھا۔ اس لئے بہت عمدہ کام ہوا۔ مگر میں پیچھے ثابت کر چکا ہوں کہ یہ حدیث پوری ہو چکی ہے۔ اور صحابہ اور محدثین کا یہی مذہب ہے پس اس حدیث کی آڑ میں ایک مسلمان کو قتل کرنا جو کہ نمازیں پڑھتا ہو روزہ رکھتا ہو اور کلمہ شریف پڑھتا ہو اس آیت کا مصداق بنتا ہے کہ ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہم آپ کو مسلمان ہی نہیں مانتے تو پھر اس حدیث کے مطابق وہ قتل ناجائز اور قابل مواخذہ ہوگا کہ جو کوئی لا الہ الا اللہ کہتا ہے اسکو قتل نہ کرو

پھر سرحدی مولوی صاحب آگے چلکر لکھتے ہیں کہ سردار نصر اللہ خان کو مولوی عبد اللطیف نے اپنے عقیدہ کے متعلق رسائل بھیجے اور اس طرح افغانستان میں فتنہ برپا کرنا چاہا مگر ان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ہرگز ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مجھ سے کچھ بات سنے وہ غائبوں کو پہنچا دے اور اسی طرح ابوذر کی یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ اگر مری گردن پر تلوار رکھی جائے اور مجھ کو خیال آئے کہ کوئی ایسی بات رہ گئی ہے جو میں نے نبی کریم سے سنی تھی اور لوگوں تک نہیں پہنچائی تو میں پیشتر اس کے کہ تلوار چلائی جائے وہ بات سنا دونگا

پس چونکہ حضرت مرزا صاحب کو ہم بوجہ مسیح و مہدی ہونے کے رسول کریم کا نائب مانتے ہیں اس لئے ہر ایک احمدی کا فرض ہے۔ کہ جو بات سنے وہ دوسرو نکے فائدہ کے لئے اُن کو جاکر سنائے اور صاحبزادہ عبد اللطیف نے بغیر اپنی جان کے خوف کے اِس حدیث نبوی پر عمل کیا اور وہ سچا نمونہ جو کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے صحابہ نے دکھایا تھا۔ وہ اس وقت دکھاکر ثابت کردیا کہ اسلام کی تعلیم ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا کرتی رہتی ہے جو کہ خدا کے حکمون کے آگے اپنی جانون کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور دوسرے یہ بات قابل غور ہے کہ سردار نصر اللہ خان کو اس تعلیم کا پہنچانا کونسا گناہ تھا۔ جبکہ نبی کریم نے قیصر و کسریٰ کو خط لکھے کہ حق کی تعبداری کرو اور پھر اس وقت بھی ہمارے امام نے ملکہ قیصرہ وکٹوریہ کو لکھا تھا کہ دین اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ اِس کو قبول کرو۔ مگر ملکہ قیصرہ جو کہ ہزارون درجہ امیر صاحب سے زیادہ طاقتور اور ملک انگلستان و ہندوستان کی فرمان روا تھیں۔ انہون نے بجائے نوٹس لینے کے شکریہ کا خط بھیجا بلکہ اُس مشتہر خط کی ایک کاپی بذریعہ تار کے منگوائی۔

میرے مضمون کے جواب میں سرحدی مولوی صاحب بار بار لکھتے ہیں کہ سراج الملت والدین نے یہ کام بہت اچھا کیا۔ مگر حیران ہون کہ یہ نام یا خطاب آپ کو کس نے دیا ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی خدا کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہیں۔ جو زیادہ پرہیزگار ہیں مگر کیا یہ امیر صاحب کی نسل کا نام ہے خطاب تو وہ ہے جو کہ خدا تعالےٰ دے یا اُس کا رسول یا دنیاوی خطاب ہو تو بادشاہ سے ہو نسے ملتا ہے جیسے کہ آگرہ میں امیر صاحب کو خطاب عطا ہوا۔ اور وہ خطاب لارڈ کیچنر کے مطابق ہے۔ کیا امیر صاحب کو الہام کے ذریعہ سے یہ خطاب ملا ہے۔ یا حدیث میں اِس کی بابت کوئی اشارہ ہے یا آپ لوگون میں سے کسی کو خدا کی طرف سے ایسا اشارہ ہوا ہے کہ امیر صاحب سراج الملت والدین ہیں یا قرآن حدیث میں کسی بادشاہ کو ان الفاظ سے پکارا گیا ہے۔ اور دوسرے یہ **کہ سراج تو آنحضرت کا نام ہے**۔ جب آپ لوگ مسیح کے نام سے اس قدر چڑتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے مسیحائی کے دعوے پر آپ جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں اور اس قدر گھبراتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اور وہ کتابیں جو اُنکے برخلاف لکھی گئی ہیں۔ یا وہ تقریریں جو کہ اُنکے مقابل میں کی گئی ہیں اُن میں گالیون کی ایسی بوچھاڑ کی گئی ہے کہ گویا سمندر کا طوفان ہے جو کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ مگر ایک دنیاوی بادشاہ کو بغیر قرآن و حدیث کے ارشاد کے **سراج الملت والدین** کہنا کچھ بھی ناگوار نہیں

گزرا حالانکہ وہاں تو مسیحائی کا دعویٰ تھا - اور سراج کا وہ خطاب ہی - جو کہ خدا نے نبی کریم کو عنایت کیا ہے پس اس کارروائی کو دیکھکر سوائے اس کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی لالچ اور مال کی طمع ایسا کام کرنے کے لئے آپ کو مجبور کر رہی ہی - گو مجھے شبہ ہی کہ آپ کو اس مضمون کے بدلے میں امیر سے تو کچھ ملا نہ ہوگا اور جو خدا سے ملا وہ آخرت میں ظاہر ہوگا - انما ھی اعمالکم احصیہا علیکم اسکے آگے چلکر راقم مضمون لکھتا ہے کہ امیر صاحب اپنی ذاتی اور جبلی ہر دلعزیزی کو کام میں لاکر اس حدیث کے حکم کا برخلاف کس طرح کر سکتے ہی - یعنی جبکہ حدیث صاف طور سے مرزائیون کا قتل جائز بلکہ ثواب قرار دیتی ہے تو کیونکہ امیر صاحب اُن کے قتل سے اپنے ہاتھ کو اس لئے روک دیتے کہ اُن کی ذاتی اور جبلی ہر دلعزیزی اس کے برخلاف تھی - لیکن افسوس شاید راقم مضمون کو وہ حکم یاد نہیں جو کہ امیر صاحب نے دہلی کے دربار کے موقعہ پر دیا تھا کہ کوئی گائے ہمارے لئے ذبح نہ کی جائے کیونکہ اس سے مسلمانون کا کوئی فائدہ نہیں اور ہندوؤن کی دلشکنی ہوتی ہی - حالانکہ خدا تعالے صاف طور سے فرماتا ہے - کہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ جسکے معنی ہیں کہ اللہ تعالے حکم کرتا ہے کہ تم گائے کی قربانی کرو - اور یہ حکم اُس وقت دیا گیا ہے جب کہ بنی اسرائیل ایک ایسے ملک میں تھے - جہان پر گائے کی پوجا کی جاتی تھی - اور ایسا کرنے سے وہانکے باشندونکی دلشکنی ہوتی تھی - مگر خدا نے پھر بھی حکم دیا کہ گائے کی قربانی کرو - کیا امیر صاحب نعوذ باللہ خدا تعالی کی غلطی نکالتے ہیں اور وہ کام جو اُس نے جائز رکھا اُسکو ناجائز قرار دیتے ہیں افسوس کہ اس موقعہ پر تو امیر صاحب اپنی ذاتی اور جبلی ہر دلعزیزی کے تابع ہو گئے اور عبد اللطیف کے شہید کرتے وقت تابع نہ رہ سکے اور پھر کونسا حکم پورا کیا وہ جو کہ نہ تو قرآن میں ہی اور نہ حدیث میں ہی کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حدیث جس سے کہ راقم مضمون احمدیون کے قتل پر دلیل پکڑتا ہی - خارجیون پر پوری ہو چکی اور اس پر صحابہ اور محدثین کا اجماع ہے - پھر بار بار اس حدیث سے استدلال کرنا اسکی شوخی پر دلالت کرتا ہی - کسی نے کہا ہی - کہ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد - اُسی باب میں اُسی حدیث کے متعلق صاف طور سے لکھا ہے کہ یہ خوارج کے متعلق ہی - اور لکھا ہی کہ وہ عراق سے پیدا ہونگے پھر بار بار اس کے دوسرے معنی کرنا سخت بیباکی اور دلیری ہی -

سرحدی مولوی کا یہ لکھنا کہ اس فرقہ کا کابل میں پہنچنا پہلی ہی دفعہ ہوا تھا - بالکل غلط اور صریح بے بنیاد ہی - کیونکہ قریباً تین سال پیشتر اس واقعہ سے صاحبزادہ صاحب کا ایک شاگرد مولوی

عبدالرحمٰن بھی اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ وہ جہاد کا منکر اور مرزا صاحب کا مرید تھا - پس یہ بات کہ پہلی دفعہ ہی یہ سلسلہ وہاں پہنچا تھا - خلاف واقعہ ہے - اور اگر پہلی دفعہ ہی ہوتی تو ممکن تھا - کہ یہ خیال کیا جاتا کہ امیر صاحب نے بے سوچے سمجھے صاحبزادہ عبداللطیف کو قتل کر دیا لیکن یہاں تو یہ معاملہ بھی نہیں کیونکہ مولوی عبدالرحمٰن حسب الحکم مولوی عبداللطیف کے یہاں آیا کرتا تھا - اور واپس جا کر یہاں کے حالات سے مولوی صاحب کو واقف کیا کرتا تھا اور جب امیر صاحب کے والد امیر عبدالرحمٰن کو یہ معلوم ہوا کہ یہ اُس گروہ میں سے ہے جو کہ جہاد کا منکر ہے تو اس نے اُسکو قتل کروا دیا -

آگے چلکر راقم مضمون پھر ایک حدیث صحیح مسلم کی بیان کرتا ہے کہ من اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیعًا فاضربوہ بالسیف کائنًا من کان یعنی جو شخص اس امت میں نفاق ڈالتا ہے - اور امت میں اتحاد اور وحدۃ ہو - تو خواہ وہ کوئی ہو اس کو قتل کر دو اس حدیث کے بیان کرنے میں بھی پہلی حدیث کی طرح اسی ایمان سے کام لیا ہے - جو خود ثریا میں چلا گیا ہے اور اپنا قائم مقام چھوڑ گیا ہے - کیونکہ یہاں صاف طور سے لکھا ہے کہ قوم متفق ہو - اور یہ حدیث عرفجہ سے مروی ہے - اور عرفجہ نے اِس حدیث کو دوسرے موقعہ پر اس طرح بیان کیا ہے کہ امرکم جمیعًا الٰی رجل واحدٍ یعنی تم ایک شخص کے ماتحت ہو اور ایک تمہارا امام ہو اور دیکھنا چاہیے کہ امامت دو قسم کی ہوتی ہے - ایک دنیاوی اور ایک دینی سو اس وقت تم لوگوں کا نہ دینی طور پر کوئی امام ہے اور نہ دنیاوی طور پر - دنیاوی طور پر ایک بادشاہ نہیں کچھ عسائیوں کے ماتحت ہو اور کچھ بدھوں کے اور کچھ انہیں ہم مذہب بادشاہوں کے اور دوسرے دینی امامت سو اس میں بھی تم لوگ متفرق ہو - تمہارا کوئی امام نہیں اول تو تمام مسلمانوں کا ایک امام ہوتا مگر وہ نہ سہی ہر ایک فرقہ کا ایک ایک امام ہوتا تب بھی بات تھی کہ ایک ایک امام کے ماتحت سب امن سے زندگی بسر کر رہے تھے اور احمدیوں نے اُس میں خلل ڈالدیا حالانکہ اس وقت ہماری چھ مخالف ہیں ایک شیعہ سو اُن کا بھی کوئی امام نہیں ان میں سے بعض کا امام تو گیارہ سو برس سے غائب ہے بعض کا انتظار میں ہیں اور بعض اوتاروں کے قایل ہیں جیسے آغائی اور بعض ائمہ موجودہ جیسے زیدی پھر خوارج سو ان میں بھی کوئی امام نہیں مقلد ہیں تو وہ بھی بغیر امام کے ہیں - متصوف گدی نشین ہیں تو وہ متفرق اور بلا امام کے ہیں پھر امرا کا گروہ ہے جو کہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں گورنمنٹ ہم سے ناراض نہ ہو جائے یا ترقی نہ رکجائے ہماری مخالفت کرتا ہے حالانکہ گورنمنٹ کے سایہ میں ہم امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ملکہ قیصرہ کو تبلیغ کرنے پر اُس نے بھی ہمکو کچھ نہیں کہا پس یہ ان کا گمان محض فرضی ہے اور دیکھا جائے تو ان لوگوں کا بھی کوئی امام نہیں - پس ہمارے جتنے مخالف ہیں سب بغیر امام کے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا فلاں امام ہے پس یہ حدیث قطعًا اس وقت کے مسلمانوں پر نہیں لگ سکتی کیونکہ وہ متفرق ہیں اور اس کے برخلاف

احمدی ایک امام کو مانتے ہیں اور اُسکا جو کچھ حکم ہو اُس کے ماننے کے لئے تیار ہیں پس ہمارے برخلاف کارروائی کرنا گویا کہ جماعت میں خلل ڈالنا ہے ۔ اور ہمارے مخالف تو خود ہی متفرق ہیں ان میں نفاق پیدا کرنے کیا معنے ہیں مولوی صاحب کیا آپ سنت و الجماعت ہیں ذرا انصاف سے غور کرو جب تمہارا کوئی امام ہی نہیں تو جماعت کہاں اور سنت کا اتباع کیا تمہارے بزرگ وقتاً فوقتاً امام بنا لیتے تھے مگر اب تم نے اس سنت کو ترک کر دیا اس لئے اب تم نہ سنی ہو اور نہ صاحب جماعت ۔ پھر آگے چلکر لکھا ہے کہ یہ جو لکھا ہے کہ جہاد کے انکار کر بدلے اور گورنمنٹ کو انکا ایقف سے بچانیکے لئے جو اس نے کوشش کی یعنی مولوی عبداللطیف صاحب نے اور اسکے بدلہ میں وہ قتل کئے گئے یہ احمدیوں کی عادت کے مطابق صریح جھوٹ اور سیاہ[1] جھوٹ ہے مگر افسوس کہ یہ بات لکھتے وقت راقم مضمون کو وہ شہادت یاد نہیں رہی جو کہ گورداسپور میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ نے دی تھی اور جس کو اب بھی ہم پیش کر سکتے ہیں جس میں کہ وہ جھوٹ کو جائز بتلاتے ہیں اور خود راقم مضمون نے خواہ وہ کوئی سرحدی مولوی ہے یا ایڈیٹر یا نائب ایڈیٹر ہے اس مضمون میں وہ جھوٹ بولا ہے کہ خدا کی پناہ اوروں پر جھوٹ باندھنا الگ رہا خود نبی کریم پر جھوٹ باندھا ہے کہ انہوں نے فلاں حدیث احمدیوں کے لئے ہی بیان فرمائی تھی حالانکہ انہوں نے عراق کی طرف اشارہ بھی کیا کہ اس ملک میں یہ قوم پیدا ہوگی اور ابوسعید رض کہتے ہیں کہ میں نے اسکو پورا ہوتے دیکھا اور پھر دوسری حدیث بھی جھوٹے طور سے پبلک کو دھوکا دینے کے لئے استعمال کی ہے کیونکہ عام مسلمانوں کا کوئی امام نہیں اور ہمارا امام ہے اور ہم نے نفاق کو مٹایا ہے کیونکہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے جھنڈے کے نیچے عیسائی ۔ آریہ ۔ سکھ ۔ شیعہ ۔ مقلد ۔ غیر مقلد ۔ اور صوفی وغیرہ وغیرہ جو متفرق تھے ایک جماعت کی صورت میں امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور تم لوگوں میں وحدت کب ہوئی تھی کیا اخراج الوہابیین من المساجد کی کتابیں نہیں لکھی گئیں اور کیا دیوبندیوں اور شہودیوں کا جھگڑا نہیں ہے اور اس تفرقہ کی وجہ سے کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ ان میں سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرتا ہو پس آپ نے خود ان حدیثوں کے استعمال کرنے میں وہ جھوٹ بولا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور آپکے مولویوں کے بیان ہیں کہ جھوٹ جائز ہے جس کی وجہ سے سشن جج صاحب کو لکھنا پڑا کہ کرم الدین کے لئے کذّاب وغیرہ سے بڑھکر الفاظ بھی استعمال کئے جاتے تو درست تھا ۔ پس جھوٹے ہم ہوئے یا آپ ۔

پھر آگے چلکر آپ لکھتے ہیں کہ جہاد ایک فوری جوش ہے اور جہاد کیلئے فتووں سے مصنوعی جوش پیدا کرنے کی کوشش کیجائے تو ناکامی ہوتی ہے اور پھر لکھا ہے کہ امیر صاحب کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ جہاد کے متعلق

---

[1] سیاہ جھوٹ اس لئے کہ جھوٹ تو کبھی سفید ہوتا ہی نہیں وہ تو تاریک چیز ہے اسلئے سیاہ ہے ظلمت کو نور سے کیا نسبت

کوئی فتوی لیں مگر افسوس کہ اس موقعہ پر بھی راقم مضمون نے تعصب سے کام لیا ہے کیونکہ اگر جہاد ایک فوری جوش ہوتا ہی تو آنحضرت نے جہاد کے لئے امام کی شرط کیون رکھی ہی اور الامام جنة یقاتل من وراءہ کے کیا معنی ہیں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اگر ایک شخص کو گاؤن سے دو کوس پرے ایسے حالات معلوم ہوئے جن سے کہ اس کو جوش آگیا تو گیا وہ امام سے پوچھتا پھریگا اور اسے اپنے ساتھ لیکر آئیگا اور اگر پوچھنے جائیگا۔ تو فوری جوش کی بات غلط ہو جاتی ہے۔ حالانکہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ امام کے بغیر کوئی جہاد نہیں جب تک وہ ایک امام تجویز کریگا اس وقت تک تو جوش مدہم پڑ جائیگا پس یہ فوری جوش والی بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو خدا نے مومنین کو جہاد کے لئے کیون اُبھارا ہے اور یہ گویا کہ خدا کا فعل عبث تھا کیا نعوذ باللہ - قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلوکم آپ کے نزدیک ایک ایسا فتوی ہی جو ناکامی کا باعث ہی اور جس کا کوئی اثر نہیں۔ یہ بات ہرگز نہیں۔ بلکہ فتون سے درحقیقت جوش پیدا ہو جاتا ہے اور دور بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ سرحد پر رہنے والے مولوی آپ کی طرح حدیثون کو غیر محل استعمال کر کے لوگونکو جہاد کے لئے اُبھارتے ہیں اور اُن میں جوش پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری مہربان گورنمنٹ کو بعض اوقات تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں اور جوش کے مٹ جانے کی مثال ہمارے پاس ہے اور وہ ہمارے امام کی تحریریں ہیں جن سے کہ سرحد پر بہت کچھ فائدہ ہوا ہے جیسا کہ پایونیر کا ایک پچھلا آرٹیکل مظہر ہے کہ مرزا صاحب کی تحریرون کا جہاد کے برخلاف لوگون پر بہت کچھ اثر پڑا ہی اور اس پر گورنمنٹ کو توجہ دلائی گئی ہی کہ آپ کی تحریرون کے پھیلانے میں وہ مدد کرے پس یہ ضروری بات ہی کہ جہاد کا جوش پیدا بھی کیا جا سکتا ہی اور مٹایا بھی جا سکتا ہی کیونکہ جس طرف کے دلائل زبردست ہونگے اُن کا اثر لوگون پر ضرور پڑیگا اور پھر امیر عبد الرحمٰن صاحب کا جہاد کے متعلق کتاب لکھنا ظاہر کرتا ہی کہ انکا بھی عقیدہ تھا کہ جہاد کا جوش فتون سے پیدا ہو سکتا ہی تبھی تو انہون نے لکھا کہ جہاد نہ صرف مذہبی طور سے ہی ایک بہت عمدہ بات یا فرض ہی بلکہ ملکی معاملات کے سبب سے بھی ایک اعلیٰ کام ہے اور یہ لکھتے ہوئے انہون نے اپنی ہمسایہ طاقت کی تکلیفون کا کچھ بھی خیال نہ کیا جس نے کہ اُنکو تخت پر بیٹھنے میں مدد دی تھی پس اگر جہاد کا جوش فتون سے نہیں پھیل سکتا تو امیر صاحب کے والد پر بھی ایک لغو کام کرنے کا الزام آتا ہے اب میں چونکہ تمام باتون کا جواب دے چکا ہون۔ اس لئے مضمون کو ختم کرتا ہون۔ مگر آخر میں گورنمنٹ انگریزی کو اس قدر توجہ ضرور دلانا چاہتا ہون کہ جن لوگون کا ایسا خطرناک عقیدہ ہے کہ وہ صرف کچھ مذہبی

اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کے ہی ایک فرقہ کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہی نہیں - بلکہ اُس پر زور دیتے ہیں اور عام مسلمانوں کو ثواب کی جھوٹی لالچ دلا کر آمادہ کرتے ہیں کہ ان کے قتل سے خدا خوش ہے اور رسول کی اطاعت ہے اور حالانکہ وہ فرقہ یعنی احمدیہ فرقہ خدا کو واحد مانتا رسول کریمؐ ایمان لاتا اور جملہ احکام اسلام پر عمل کرنا فرض جانتا ہے - اور ان لوگوں سے صرف اس قدر اختلاف رائے رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نبی کریم کی طرح وفات یافتہ ہیں اور وحی اور الہام کا سلسلہ اسلام کے زندہ مذہب ہونے کے ثبوت کے لئے ہمیشہ کے لئے کھلا ہے - اور یہ کچھ ایسا بڑا اختلاف بھی نہیں کیونکہ اکثر ائمۂ اسلام اسی کے قائل ہیں اور اس فرقہ کا ظاہر احکام اسلام پر عمل کرنا - تو خود یہ لوگ مانتے ہیں - جیسا کہ راقم مضمون نے بھی لکھا ہے - کہ یہ لوگ نمازیں ہم سے اچھی طرح پڑھتے ہیں - اور قرآن شریف ہم سے اچھا جانتے ہیں - اور ایمان کی بابت تو خدا جانتا ہے کہ یہ مومن ہیں کہ ہم - پس جب کہ ہم میں اور ان لوگوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں - اور پھر بھی یہ ہمارے قتل پر آمادہ ہو گئے ہیں - تو کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ غیر مسلمانوں یا کفار کے قتل کو ناجائز سمجھیں - بلکہ خونی مہدی کا عقیدہ ظاہر کرتا ہے - کہ درحقیقت ان کے دل ایسی ضرورت محسوس کرتے ہیں - کہ کفار کو قتل کیا جائے اور ان کا مال لوٹا جاوے - اور چونکہ یہ گورنمنٹ کو زبردست دیکھتے ہیں اس لئے ظاہرہ طور سے اس خیال کا اعلان نہیں کرتے - مگر احمدی جماعت کو کمزور دیکھ کر انہوں نے صاف طور سے اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا جس سے کہ ان کے دلی عقیدوں کا پتہ لگتا ہے - اور ہمیشہ تنکے سے ہی ہوا کا رخ دیکھا جاتا ہے پس گورنمنٹ کو ان لوگوں سے ہرگز ہرگز بے فکر نہیں رہنا چاہیئے - کیونکہ سرحد پر آگے ہی یہ لوگ بہت کچھ کارروائیاں کر رہے ہیں - جن کی وجہ سے وہاں کے حکام کو بعض دفعہ تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں -

والسلام راقم میرزا محمود احمد

یَا زَیدُ لِمَ تَبْکِیْ
سَیِّدِیْ نَدَّتْ نَاقَتِیْ
یَا زَیدُ کَانَتِ الْعَشْوَاءَ اَوِ الْعَضْبَاءَ
لَا سَیِّدِیْ بَلِ الْوَجْنَاءَ
یَا زَیدُ کَمْ یُحْلَبُ لَبَنٌ لِلَقْحَتِکَ
سَیِّدِیْ مِلْأَ الْعُلْبَةِ وَکَانَ قَبْلَ ذَالِکَ
مِلْأَ الْقِرْبَةِ
یَا زَیدُ مَا هٰذَا فِیْ یَدِکَ
سَیِّدِیْ مِجْوَلُ زَوْجَتِیْ
یَا زَیدُ نِعْمَ الْجَوَابُ هٰذَا
یَا زَیدُ قُلْ حَابِلَ یَصِیْدُ لَنَا الْعَصَافِیْرَ
سَیِّدِیْ عِنْدِیْ حِسْکِلٌ فَکُلْهُ
یَا زَیدُ تَکْرَهُ طَبِیْعَتِیْ اَنْ آکُلَ الْحِسْکِلَ
یَا زَیدُ مَا حَالُ حَقْلِکَ
سَیِّدِیْ اَخَذَتْنِیْ حَقْلَةٌ فَمَا
رَأَیْتُهُ مِنْ اَیَّامٍ
یَا زَیدُ اَظُنُّ اِنَّکَ اَحْوَلُ
سَیِّدِیْ رَمِدْتُ فَفَسَدَتْ عَیْنِیْ
سَمِعْتُ یَا زَیدُ اَنَّ زَوْجَکَ مُجْرَهِدٌ فَهِیْمَةٌ
لَا سَیِّدِیْ بَلْ خَذْعَلٌ
یَا زَیدُ مَا رَأَیْتَ حُمْقَهَا
سَیِّدِیْ اَعْطَیْتُهَا حُلَلاً مِنَ الثِّیَابِ فَمَا
غَادَرَتْ حَمْلاً فِیْ بَیْتِهَا

اے زید تو کیون روتا ہے
میرے سردار میری اونٹنی بھاگ گئی (آوارہ ہو گئی)
ای زید وہ اندہی بھاگی یا کان پھٹی
نہیں میری سردار بلکہ سانڈنی اونٹنی بھاگ گئی
اے زید تیری اونٹنی کتنا دودھ دیتی ہے
میرے سردار ایک چوہنی بھری ہوئی دیتی ہو اس سے پہلے
ایک مشک بھری ہوئی۔
اے زید تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔
ای میری سردار یہ میری بیوی کی انگھیا ہے۔
ای زید بہت اچھی انگھیان ہے
اے زید چڑیمار کو کہو کہ ہمیں چڑیان پکڑ کے لا دے
ای میری سردار میری پاس ایک گوہ کا بچہ ہو وہ ہی کھاے
ای زید میری طبیعت کراہت کرتی ہو کہ میں گوہ کا بچہ کھاؤن
ای زید تیری کھیتی کا کیا حال ہے
میرے سردار مجھی پیٹ میں درد ہوتی رہی ہو پس میں نے
کئی دنون سے نہیں دیکھا
اے زید میں گمان کرتا ہون کہ تو بھینگا ہے
میری سردار مجھی درد چشم ہوئی تھی پس میری آنکھ بگڑ گئی
ای زید میں نے سنا ہو کہ تیری بیوی بہت جلد چلنے والی سمجھ دار ہے
نہیں میرے سردار بلکہ بدسلیقہ احمق ہے
اے زید تو نے اس کی کیا بے وقوفی دیکھی
میرے سردار کئی تہان میں نے کپڑے کے لا کر دیے پس
اس نے ایک بھی اپنے گھر میں باقی نہ رکھی۔

نَعَمْ حِبِّي سَيَهُوجُ مُخُوفٌ	ہاں بھئی یہ سخت آندھی خوفناک ہو-
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْهَوْجَاءِ	ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں سخت آندھی سے
أَهٰذَا الرَّجُلُ شَقِيقُكَ	کیا یہ شخص تیرا اسگا بھائی ہے
يَا سَيِّدِي هٰذَا أَخْيَافِيٌّ	ہاں میرے سردار یہ میری ماں کی طرف سے سوتیلا بھائی ہے
اُطْبُخِ الْخُرْسَةَ لِلنُّفَسَاءِ	اچھوانی زچا کے واسطے پکاؤ
لُفِّ الْخَيْطَ عَلَى الْإِسْتِيجِ	اٹرن پر سوت لپیٹ
لَيْسَ فِي قَرْيَتِنَا لِصٌّ وَلَا مُخْتَلِسٌ	ہماری گاؤں میں نہ کوئی چور ہے اور نہ کوئی اُچکا ہے
وَلَا مُخْتَبِسٌ	اور نہ دہاڑی ہے-
لَا تُصَاهِرْ بِالْمُقْرِفِينَ	دوستون کی لڑکی نہ لے
وَاحْمِ التَّوَحُّمَ فَإِنَّ الْوِحَامَ	عورت کے ارادے پورے کر کیونکہ اُس کے پورا کرنے
إِذَا لَمْ يُتَّبَعْ فِيهِ خَدَجَ الْجَنِينُ	میں بچہ ناقص ہوتا ہے
اَلْمُطْوَءُ رَسُولُ النَّوْمِ	جمائی نیند کا ایلچی ہے
عَرَضْتُ	میں مکہ اور مدینہ اور اسکے نواح میں گیا-
أَعْرَضْتُ حَجْرِي	میں نے اپنی بکری کے
كَيْفَ وَجَدْتَ زَيْدًا عِنْدَ التَّكَلُّمِ	تو نے زید کو بات کرنے میں کیسا پایا
سَيِّدِي هُوَ مُثَرْثِرٌ مِهْذَارٌ مِكْثَارٌ بَقْبَاقٌ	میرے سردار وہ بکواسی ہے
سَيِّدِي عِنْدِي مَفْرَخٌ	میرے سردار میرے پاس کئی چوزے ہیں-
سَيِّدِي فِرَاخٌ	میرے سردار چوزے ہیں؛
إِنَّ زَيْدًا أَشْكَسُ	زید سخت خو ہے
نَعَمْ سَيِّدِي ذُعْرُورٌ	ہاں میرے سردار وہ بڑا بدخو ہے
مَا فَعَلَ زَيْدٌ عِنْدَ نَعْيِ حِمَارِهِ	زید کو جب اسکے گدھے کی مرنیکی خبر پہنچی تو اسنے کیا کیا
سَيِّدِي هُوَ جَهِشَ وَكَادَ أَنْ يَصِيحَ	میرے سردار وہ رونے کو تیار تھا اور قریب تھا کہ چیخنے لگے
مَا قَالَ زَيْدٌ فِي جَوَابِي	زید نے میرے جواب میں کیا کہا

ایک لڑکی کی اس کی۔ اس کے ساتھ کچھ اچھی طرح نہیں بنتی تھی۔ لڑکی نے بر سبیل شکایت اور گلہ کچھ عورتوں کے سامنے کہا کہ کیا برا مقام ہے کہ جس میں بیری س وغیرہ رہتے ہیں۔ آپ نے اسکو سنکر بہت۔ سنایا کہ شہر تو کوئی برا ہوتا ہی نہیں اگر کسی شہر کو برا کہا جاوے تو اس سے مراد اسکے شہر والے ہوتے ہیں۔ پس نہایت قابل افسوس ہے اس عورت کی حالت جو ایسا فقرہ اپنی زبان پر لاتی ہو یا اور اس طرح اپنے خاوند اور اسکے والدین کی برائی کرتی ہے اور اسکے بعد اس عورت کو بہت سمجھایا اور کہا کہ خدا تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا۔ یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ ذرا سی بات پر بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھہ بھلا برا کہتی ہیں۔ بلکہ اپنی ساس اور سسر کو بھی سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں حالانکہ وہ اسکے خاوند کی بھی قابل عزت بزرگ ہیں وہ اسکو ایک معمولی بات سمجھہ لیتی ہی۔ اور ان سے لڑنا وہ ایسا ہی سمجھتی ہیں جیسا کہ محلہ کی اور عورتوں سے جھگڑا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے۔ یہاں تک کہ حکم ہے کہ اگر والدین کسی لڑکے کو مجبور کریں۔ کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دیدے تو اسکے لڑکے کو چاہیے۔ کہ وہ طلاق دیدے پس جبکہ ایک عورت کیے ساس اور سسر کے کہنے پر اسکو طلاق مل سکتی ہے تو اور کونسی بات رہ گئی ہے اسلیئے ہر ایک عورت کو چاہیئے۔ کہ ہر وقت اپنے خاوند اور اسکے والدین کی خدمت میں لگی رہے اور دیکھو کہ عورت جو کہ اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے۔ تو اسکا کچھہ بدلہ بھی پاتی ہے۔ اگر وہ اسکی خدمت کرتی ہے تو وہ اسکی پرورش کرتا ہے۔ مگر والدین تو اپنے بچہ سے کچھہ نہیں لیتے وہ تو اسکے پیدا ہونیسے لے کر اسکی جوانی تک اس کی خبر گیری کرتے ہیں اور بلا کسی اجر کے اسکی خدمت کرتے ہیں۔ اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو اسکا بیاہ کرتے اور اسکی آیندہ بہبودی کے لیے تجاویز سوچتے اور اسپر عمل کرتے ہیں۔ اور پھر جب وہ کسی کام پر لگتا ہے۔ اور اپنا بوجھہ آپ اٹھانے۔۔ اور آیندہ زمانہ کے لیے کسی کام کرنیکے قابل ہو جاتا ہے۔ تو کس خیال سے اسکی بیوی اسکو اسکے ماں باپ سے جدا کرنا چاہتی ہے یا کسی ذرہ سی بات پر سب دشتم پر اتر آتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا ناپسند فعل ہے جس کو خدا

اور مخلوق دونوں ناپسند کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ واریاں مقرر کی ہیں ایک حقوق اللہ اور ایک حقوق العباد پھر اسکے دو حصے کئے ہیں یعنی اول تو ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سسر کی خدمت اور اطاعت پس کیا بدقسمت ہے وہ جوان لوگوں کی خدمت کر کے حقوق عباد اور حقوق اللہ دونوں کی بجا آوری سے منہ موڑتی ہے۔ حقوق اللہ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ وہ اس طرح خدا کے حکم کو بھی ٹالتی ہے راقم ایڈیٹر

کسی لڑکی کا نام جنت تھا۔ کسی شخص ... نے کہا کہ یہ نام اچھا نہیں کیونکہ بعض وقت انسان آواز مارتا ہے۔ کہ جنت گھر میں ہے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو گویا اس سے ظاہر ہے۔ کہ دوزخ ہی ہے یا کسی کا نام برکت ہو اور یہ کہا جائے کہ گھر میں برکت نہیں تو گویا نحوست ہوئی فرمایا یہ بات نہیں ہے نام کے رکھنے سے کوئی ہرج نہیں ہوتا اور اگر کوئی کہے کہ برکت اندر نہیں ہے تو اسکا تو مطلب یہ ہے کہ وہ انسان اندر نہیں ہے۔ نہ یہ کہ برکت نہیں یا اگر کہے کہ جنت نہیں تو اسکا یہ مطلب نہیں۔ کہ جنت نہیں اور دوزخ ہے بلکہ یہ کہ وہ انسان اندر نہیں۔ جسکا نام جنت ہے کسی اور نے کہا کہ حدیث میں بھی ممانعت آئی ہے فرمایا۔ کہ میں ایسی حدیثوں کو ٹھیک نہیں جانتا اور ایسی حدیثوں سے اسلام پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ خدا کے بتلائے ہوئے نام۔ عبد اللہ۔ عبد الرحیم۔ اور عبد الرحمن جو ہیں۔ ان پر بھی بات لگ سکتی ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان کہتا ہے کہ عبد الرحمن اندر نہیں تو اسکا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا۔ کہ عبد الشیطان اندر ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ شخص جسکا نام نیک فال کے طور پر عبد الرحمن رکھا گیا تھا۔ وہ اندر نہیں۔ اور اسی طرح دوسرے نام یا یہ کہ دین محمد اندر نہیں تو کفر کا ہونا ضروری ہوا پس یہ ایک غلط خیال ہے یہ نام ایک نیک فال کے طور پر رکھے جاتے ہیں۔ تا وہ شخص بھی ان نام کے مطابق ہو۔

ذکر ہوا کہ خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ کے وقت جو کچھ انگریزوں نے سلوک کیا ہے اسپر ایک اخبار نے بہت سا شور مچایا ہے اور اسکو برا منایا ہے فرمایا یہ بات

نہیں خدا کسی قوم پر یا کسی خاص شخص پر ظلم نہیں کرتا۔ جب انسان خود کوئی گنہ کرتا ہے تو اسوقت اس کی تادیب کے لئے خدا تعالیٰ اسپر مصیبتیں نازل فرماتا ہے بہادر شاہ سے اور اسکے چند پہلے بزرگوں سے چونکہ بہت کچھہ خطائیں سرزد ہوئیں خدا تعالیٰ نے ان کو اسبات کے لایق نہ دیکھا کہ وہ حکومت کرسکیں تب انگریزوں کو انپر مسلط کردیا اگر وہ ایسے کام نہ کرتے۔ تو خدا تعالیٰ بھی ایسا نہ کرتا۔ بلکہ میرے خیال میں خدا تعالیٰ نے بہادر شاہ پر بہت بڑا احسان کیا۔ کیونکہ اسطرح تکلیفیں برداشت کرکے اسکے گنہ معاف ہوگئے وہ جو اسلوک انگریزوں نے کیا۔ وہ تو فاتح قومیں کیا ہی کرتی ہیں۔ اگر بہادر شاہ فتحیاب ہو جاتا۔ تو کیا وہ ایسا نہ کرتا۔

طب ایک صاحب گھر میں آئے طب کا ذکر شروع ہوا فرمایا کہ طبیب میں علاوہ علم کے جو اسکے پیشہ کے متعلق ہے ایک صفت نیکی اور تقوے کی بھی ہونی چاہئے۔ ورنہ اسکے بغیر کچھہ کام نہیں چلتا۔ ہمارے پچھلے لوگوں میں اسکا خیال تھا اور لکھتے ہیں کہ جب نبض پر ہاتھہ رکھتے تو یہ بھی کہتے کہ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا یعنے اے خداوند بزرگ ہمیں کچھہ علم نہیں مگر وہ جو تو نے سکھایا۔ فرمایا کہ دیکھو پچھلے دنوں میں مبارک احمد کو خسرہ نکلا تھا۔ اسکو اس قدر کھجلی ہوتی تھی کہ وہ پلنگ پر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور بدن کی بوٹیاں توڑتا تھا۔ جب کسی بات سے فائدہ نہ ہوا تو میں نے سوچا کہ اب دعا کرلی چاہئے۔ میں نے دعا کی اور دعا سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا۔ کہ میں نے دیکھا کہ کچھہ چھوٹے چھوٹے چوہے ہیں۔ جیسے جانور مبارک احمد کو کاٹ رہے ہیں ایک شخص نے کہا کہ ان کو چادر میں باندھکر باہر پھینک دو چنانچہ ایسا کیا گیا جب میں نے بیداری میں دیکھا تو مبارک احمد کو بالکل آرام ہو گیا تھا۔ اسی طرح دست شفا جو مشہور ہوتے ہیں۔ اسمیں کیا ہوتا ہے۔ وہی خدا کا فضل اور کچھہ نہیں۔

دعا فرمایا کہ دعا میں بعض دفعہ قبولیت نہیں پائی جاتی۔ تو ایسے وقت اسطرح کبھی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ کہ ایک شخص بزرگ سے دعا منگوائیں۔ اور خدا سے دعا مانگیں کہ وہ اس مرد بزرگ کی دعاؤنکو سنے۔ اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ اسطرح دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارے ساتھہ بھی بعض دفعہ ایسا واقعہ ہوا ہے اور پچھلے بزرگوں میں بھی دیکھا جاتا ہے

۱۲۳

جیسا کہ باوا غلام فرید ایک دفعہ بیمار ہوئے اور دعا کی مگر کچھ بھی فائدہ نظر نہ آیا تب آپ نے اپنے ایک شاگرد کو جو نہایت ہی نیک مرد اور پارسا تھے (شاید شیخ نظام الدینؒ یا خواجہ قطب الدینؒ) دعا کے لئے فرمایا انہوں نے بہت دعا کی اور مگر پھر بھی کچھ اثر نہ پایا گیا یہ دیکھکر انہوں نے ایک رات بہت دعا مانگی کہ اے میرے خدا! اس شاگرد کو وہ درجہ عطا فرما کہ اسکی دعائیں قبولیت کا درجہ پائیں اور صبح کیوقت ان کو کہا۔ کہ آج ہم نے تمہارے لئے یہ دعا مانگی ہے یہ سنکر شاگرد کے دل مین بہت ہی رقت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے دل مین کہا کہ جب انہوں نے میرے لئے ایسی دعا کی ہے۔ تو آو پہلے انہیں پر ہی شروع کرو۔ اور انہوں نے اسقدر زور شور سے دعا مانگی کہ باوا غلام فرید کو شفا ہو گئی۔

دعا بارش سخت زور سے ہو رہی تھی۔ اور کوئی وقت ایسا نہ ہوتا تھا۔ کہ بادل پھٹی مکانوں کے گرنے کا سخت اندیشہ ہو رہا تہا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ بارشوں یا آندھیاں یا اور طوفانوں مین خدا سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ہمارے لئے اس عذاب مین کوئی بہتری کی ہی صورت پیدا کرے اور ہر ایک شر سے محفوظ رکھے۔ جو اس سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایسے وقتوں مین دعا مانگا کرتے تھے۔ اور جب بارش یا آندھی آتی تھی۔ تو گھبرائے سے معلوم ہوتے تھے اور کبھی اندر جاتے تھے اور کبھی باہر جاتے تھے کہ کہین قیامت تو نہین آگئی۔ گو قیامت کی بہت سی نشانیاں انکو بتائی گئی تھیں۔ اور ابھی مسیح کی آمد کا بھی انتظار تہا۔ مگر پھر بھی وہ خیال کرتے تھے۔ کہ خدا بڑا بے نیاز ہے اسلئے سب کو چاہئے۔ کہ اسکی بے نیازی سے ڈرتے رہے اور ہمیشہ ایسے موقعون پر خصوصیت سے دعائیں لگے رہین۔

حضرت عیسیٰ فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مہد مین بولنے لگے اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیدا ہوتے ہی یا دو چار مہینہ کے بولنے لگے بلکہ اس سے مطلب ہے کہ جب وہ دو چار برس کے ہوئے کیونکہ یہی وقت تو بچوں کا پنگھوڑون مین کھیلنے کا ہوتا ہے اور ایسے بچے کے لئے باتین کرنا کوئی تعجب انگیز امر نہین ہماری لڑکی امت الحفیظ بھی بڑی باتین کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری اطلاع

پہلے رسالہ ہذا کے نمبر اول جلد ۱ میں ناظرین کی خدمت میں اطلاع لکھی تھی جس کا یہ مطلب تھا کہ ہم نے یہ تجویز کی ہے - کہ جو جو حصے ہم اس رسالہ کے علیحدہ علیحدہ چھپواتے ہیں - اور ان پہ صفحے بھی علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں - اس میں ہماری غرض یہ ہے کہ کچھ مدت کے بعد وہ علیحدہ علیحدہ کتابون کی صورت میں الگ الگ کئے جایا کرین - اس لئے ان کے صفحے اپنی اپنی ترتیب سے ہوتے ہیں - مگر تجربہ سے ہمیں معلوم ہوا ہے - کہ یا تو بعض احباب نے اس کو پڑھا ہی نہیں - اگر پڑھا ہے - تو اس کی طرف توجہ نہیں کی - یا یہ کہ وہ بھول گئے ہیں - اس لئے اب کے بار تمام ناظرین کی خدمت میں پھر عرض کر کے ملتمس ہون - کہ براے مہربانی اس اطلاع کا خیال رکھیں

اور بار بار صفحون کی غلطی کی شکایت نہ کریں - کیونکہ پہلے عام مضامین ہوتے ہیں جن کے عام طور پر ۳۲ صفحے علیحدہ ہوتے ہیں - اور پھر ڈائری کے علیحدہ - مکتوبات کے علیحدہ - مسائل شرعیہ کے علیحدہ - اور عربی فقرات کے علیحدہ ہوتے ہیں - تاکہ یہ الگ الگ کتابیں تیار ہو سکیں - ہان ناظرین کو غلطی سے بچانے کے لئے ہم نے یہ تجویز کی ہے کہ صفحون کے نیچے کا نمبر بالترتیب رہے - اس لئے عرض ہے - کہ جو صاحب یہ دیکھنا چاہیں - کہ صفحے پورے ہیں - کہ نہیں - وہ نیچے کے صفحون کو دیکھا کریں -

مکرر آنکہ اسدفعہ رسالہ بجائے ۱۰ - مارچ کے ۲۵ مارچ کو شایع ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے - کہ ایڈیٹر صاحب نے محبت آلہی پر ایک طویل مضمون لکھا تھا - جو ایک نمبر میں سما نہیں سکتا تھا - اور ایک نمبر سے زیادہ میں اسکو شایع کرنا مناسب نہ سمجھا گیا - اس لئے بہتر خیال کیا گیا کہ چونکہ جنوری ۱۹۰۸ء نمبر اول حسب وعدہ شایع نہ ہو سکا تھا - بلکہ فروری میں شایع ہوا تھا - اس لئے اس پرچہ کی بجائے مارچ کا پرچہ دوچند کر دیا جاوے - تاکہ کمی پوری ہو جاوے مگر اتفاق سے مارچ کا پرچہ دوچند سے بھی زیادہ ہو گیا ہے اسلئے اگر اپریل کے پرچہ میں کچھ کمی ہو - تو امید رکھتا ہون کہ میرے احباب اسکو عفو کی نگاہ سے دیکھینگے - والسلام - عبدالرحیم - جنرل سکرٹری انجمن تشحیذ الاذہان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۶۴

نوٹس

ہم نے یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ اپنے رسالہ میں لوگون کے اشتہار شایع کیا کریں۔ پیشہ
کے کہ شرح وغیرہ درج کریں۔ ہم اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جھوٹے اور مبالغہ آمیز اشتہ
ہمارے رسالہ میں جگہ نہ لے سکینگے۔ اگر دوایون کے اشتہارہ ہونگے۔ تو ان کے متعلق
یہ ضروری ہوگا۔ کہ جہان تک ہم سے ہو سکے اس کا تجربہ کرنے کے بعد شایع ک
اسی طرح جس چیز کا اشتہار ہوگا۔ اس کے متعلق یہ ضروری غور کیا جاویگا۔ کہ آیا اس
واقعی وہ فوائد ہیں۔ جو مشتہر بیان کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ گندے اشتہارہ ہرگز نہ لئے جاوینگے اور جو اشتہار ایسی دوایون
متعلق ہونگے۔ جو فحش مرضون کا علاج ہون۔ ان کو بھی ہرگز شائع نہ کیا جائیگا۔ غرضیکہ
اشتہار آئینگے وہ بعد غور وتجربہ کے درج ہونگے۔ جو ایک دینی رسالہ کے اغراض
کسی طرح مخالف نہ ہون۔

اجرت اشتہارات حسب ذیل ہے

(جو پیشگی وصول کی جاویگی)

مدت	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	ے	معے	لعہ
ششماہی	معے	لعہ	صہ/
سہ ماہی	لعہ	صہ/	سے/

فی سطر ایک دفعہ کے لئے ۴/

مینیجر رسالہ تشحیذ الاذہان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۰- فروری ۱۹۰۷ء دعنی اقتل من اٰذاک - ان العذاب مربع ومدوّر -
ترجمہ مجھے چھوڑ- تامیں اُس شخص کو قتل کرون جو تجھے ایذا دیتا ہے - دشمنون کے لئے عذاب چہار طرفی مربع
ہے - اور اردگرد سے گھیرے ہوئے ہے (۲) وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک
- لک رحمۃٌ یعنی ہم نے تیرا وہ بوجھ اُتار دیا - جس نے تیری کمر توڑ دی تھی - تیرے لئے ایک رحمت
ہے - ۱۲ فروری ۱۹۰۷ء (۱) ایک اور خوشخبری - (۲) نثنی علیک - الخیر والبرکۃ - ترجمہ -
ہم تری ثناء کرتے ہیں - خیر اور برکت - (۳) آسمان ٹوٹ پڑا سارا - کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونیوالا ہو
(یہ انسان کا مقولہ ہے - گویا اللہ تعالےٰ انسان کی طرف سے فرماتا ہے - کہ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہونے
والا ہے) (۴) اولٓئک قوم لا یشقٰی جلیسھم - ترجمہ - یہ ایک ایسی قوم ہے کہ ان کا
ہم نشین خدا کی رحمت سے محروم نہیں رہ سکتا - ۱۵ فروری ۱۹۰۷ء (۱) من ذا الذی ھو
اسعد منک - ترجمہ - وہ کون ہے جو تجھ سے زیادہ سعادتمند ہے - (۲) ایک ہفتہ تک ایک
بھی باقی نہیں رہیگا - (۳) ویل لکل ھمزۃٍ لمزۃ - ترجمہ - ہر ایک چغلخور اور عیب گیر پر لعنت ہے -
۱۸- فروری ۱۹۰۷ء - (۱) کل الفتح بعدہ - سب فتح اس کے بعد ہے (۲) مظہر الحق و
العلا - کانّ اللہ نزل من السماء - ترجمہ - وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہوگا گویا خدا آسمان سے اتریگا
۲۰- فروری ۱۹۰۷ء (۱) انّی مع الرسول اقوم والوم من یلوم - ترجمہ - میں اپنے رسول
کے ساتھ کھڑا ہونگا - اور اس کے ملامت کنندہ کو ملامت کرونگا - (۲) پس پاشدہ ہجوم - (اڑھائی بجے
بعد آدھی رات) افسوس ناک خبر آئی ہے - فرمایا اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے
دوستون کی طرف ہوا - مگر یہ انتقال ذہن بیداری میں ہوا - الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو
(۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کریں - فرمایا معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے - (۲۵) فروری
۱۹۰۷ء (۱) من الناس والعامۃ - یعنی من خواص الناس والعامۃ - یہ طاعون کی طرف
اشارہ ہے کہ اس مرتبہ طاعون کے حملہ سے کچھ خاص لوگ بھی مرینگے جو معزز ہوتے ہیں یا سفید

پوش ہوتے ہیں - اور عام لوگوں میں بھی مری پڑیگی - (۲) لولا الاکرام - لھلک المقام
ترجمہ - اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا - تو مَیں تمام قادیان ہلاک کر دیتا - اس الہام سے معلوم
ہوتا ہے - کہ قادیان میں سے بھی کچھ لوگ طاعون سے مریں گے - اور یہ مرنا الہام انہ اوی
القریۃ کے مخالف نہیں - کیونکہ اوی سے مراد الہام الٰہی میں یہ ہے کہ آخر قادیان کے
لوگ بچائے جائیں گے - بکلی استیصال نہیں ہوگا - (۲۶) فروری ۱۹۰۶ء تحفۃ الملوک -
اس کے معنے ابھی نہیں کھلے - بہرحال ملوک سے اس کو کچھ نسبت ہے - ۲۳ - فروری ۱۹۰۶ء
وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر - ترجمہ - جب کوئی نشان دیکھیں گے تو کہیں
گے - کہ یہ معمولی بات ہے - کوئی خارق عادت امر نہیں یا کوئی فریب ہے - سیھزم الجمع
ویولون الدبر - ترجمہ - عنقریب یہ لوگ بھاگ جائیں گے - اور پیٹھیں پھیر لیں گے - یہ اس
طرف اشارہ ہے - کہ وہ وقت آتا ہے - کہ خدا کے نشانوں سے انکار کی گنجائش نہیں
رہیگی - اور نشان ایسے طور سے کھلیں گے - کہ منہ بند ہو جائیں گے - رؤیا میں گویا میں
کہتا ہوں - یا کسی نے کہا ہے - کہ اب جنازہ جا کر پڑھیں گے - گویا کسی کا جنازہ ہے جو
پڑھا جاویگا - لاتحزن ان اللہ معنا - ترجمہ - غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے - کسی دوست
کو اس میں تسلی دیگئی ہے - گویا مَیں تسلی دونگا - ۲۸ - فروری ۱۹۰۶ء سخت زلزلہ آیا اور
آج بارش بھی ہوگی - خوش آمدی نیک آمدی - چنانچہ اسی دن بارش ہو گئی - اور ۲ - مارچ
۱۹۰۶ء کی بعد رات کو سخت زلزلہ آگیا - جس کی خبر تمام اخباروں میں چھپی ہے - ۲ -
مارچ ۱۹۰۶ء روز شنبہ (۱) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیرا - تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے تا
معلوم ہو - کہ تم اس کے ارادوں پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں - اور تا وہ اے اہل بیت تمہیں
پاک کرے - جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا - اور پھر انہیں کی طرف اشارہ کر کے الہام
ہوا - (۲) ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر - اور پھر الہام ہوا (۳) یا ایھا الناس
اعبدوا ربکم الذی خلقکم - اے لوگو تم اپنے رب کی پرستش کرو - وہ خدا جس نے تمہیں
پیدا کیا ہے - اسمیں تفہیم یہ ہوئی - کہ اے اہل بیت کسی دوسرے کو تکیہ گاہ مت بناؤ ہی خدا تیرا

متکفل اور رازق ہو۔ جسنے پیدا کیا۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۴) یا ایھا الناس اتقوا ربکم الله خلقکم
ترجمہ یہ ہو کہ اے اہل بیت خدا سے ڈرو۔ اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ اور نہ کوئی بات مُنہ سے
نکالو۔ وہی خدا ہو جسنے تمہیں پیدا کیا۔ اور پھر میری طرف سے بطور حکایت الہام ہوا۔ (۵) اے میرے اہل بیت خدا
تمہیں شر سے محفوظ رکھے۔ اور پھر مجھے مخاطب کر کے الہام ہوا۔ (۶) انت منی وانا منک انت الذی
طار الیّ روحہ۔ یعنی تو مجھ سے ظاہر ہوا۔ اور میں اس زمانہ میں تجھ سے ظاہر ہونیوالا ہوں۔ تو وہ ہے
جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا۔ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء (۱) ربنا افتح بیننا وبینہم۔ (۲) أتعجبتم ان
تموتوا۔ (۳) انکی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ (۴) پچیس دن (یا یہ کہ پچیس دن تک) (۵) من
الناس والعامۃ (ای من خواص الناس والعامۃ) ترجمہ اے خدا ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں
فیصلہ کر۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تم موت کا شکار ہو جاؤ۔ طاعون خاص لوگوں میں بھی پڑیگی اور عام لوگوں میں بھی
انکی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ کن لوگوں کی طرف یا کس کی طرف اشارہ ہو۔ اور پچیس دن کے
الہام میں یہ اشارہ ہو کہ ۷ مارچ سے پچیس دن پوری ہونے کے سر پر یا ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک کوئی واقعہ
ظاہر ہوگا اور ضرور ہو کہ تقدیر الٰہی اس واقعہ کو روک رکھے جب تک کہ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن گذر نہ جاویں
یا یہ کہ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک یہ واقعہ ظہور میں آجائیگا۔ اگر صرف پچیس دن کی لحاظ سے معنے کئے جائیں۔
تو اس طور سے ضرور ہے کہ اس واقعہ کے ظہور کی یکم اپریل سے امید رکھی جائے۔ کیونکہ الہام الٰہی
کے رُو سے ساتویں مارچ پچیس کے شمار میں داخل ہے۔ اس صورت میں پچیس دن مارچ کی اکتیس تاریخ
تک پورے ہو جاتے ہیں۔ تو اس طور پر پیشگوئی کے ظہور کا مہینہ اپریل ٹھہرتا ہے مگر یہ سوال کہ وہ واقعہ
کیا ہے جسکی پیشگوئی کیگئی ہے۔ اس کا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے بجز اس کے کہ
یہ کہیں کہ کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہے کہ ظہور کے بعد پیشگوئی کے رنگ میں ثابت ہو
جائیگا۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعہ ہماری ذات کے متعلق ہے یا ہمارے دوستوں
کے متعلق یا دشمنوں کے متعلق۔ جس امر کو خدا نے پوشیدہ کیا ہے ہم ظاہر نہیں کر سکتے بعد
اس کے ۱۲۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو مکرراً یہ بھی الہام ہے۔ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی
(۲) انت منی وانا منک۔ (۳) ظہورک ظہوری۔ (۴) انت الذی طار الیّ روحہ
(۵) انی انا اللہ ذو الجود والعطاء (۶) أنزل الرحمۃ علی من اشاء۔ ترجمہ اے عیسیٰ میں

تجھے تیری طبعی موت سے وفات دونگا اور اپنی طرف اُٹھا لونگا - تو مجھ سے ہے اور مَیں تجھ سے - تیرا ظہور میرا ظہور ہے - تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا - میں خدا ہون صاحب جود اور بخشش - جس پر چاہتا ہون رحمت نازل کرتا ہون - ۱۳ - مارچ سنہ ۱۹۰۷ء - (۱) لاہور میں ایک بے شرم ہے ویل لک ولافکک - ترجمہ اے مخالف تیرے پر لعنت اور تیرے جھوٹ پر - (۳) انی نعیت - ترجمہ - مَیں نے ایک شخص کی موت کی خبر دی (۴) انی انا اللہ لا الہ الا انا - ترجمہ - میں ہی خدا ہون میرے سوا اور کوئی خدا نہیں - (۵) انّ اللہ مع الصادقین ترجمہ خدا سچون کے ساتھ ہوتا ہے (یہ پیشگوئی آج پوری ہو گئی کہ آج ہی سول میں خبر آئی ہے کہ ڈوئی جس کے عذاب کے بارے میں خبر دی تھی مرگیا یہ وہی ڈوئی ہے جسکو مباہلہ کے لئے بلایا گیا تھا) (۶) ایک امتحان ہے بعض اُس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائینگے - (۷) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا - ترجمہ - خدا نے ارادہ کیا ہے - اے اہل خانہ کہ تمہاری پلیدی کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا - (یہ تیسری مرتبہ الہام ہوا واللہ اعلم بالصواب) (۸) عجبنی مونکم تمہاری موت نے مجھے تعجب میں ڈالا - (۹) یورپ اور دوسرے عیسائی ملکون میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی - (۱۰) ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مرینگے (۱۱) واستوت علی الجودی - (یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی) یعنی پانی خشک کیا جائیگا اور جو کچھ ہمارا ارادہ ہے ہم پورا کر لینگے اور کشتی جودی پر ٹھہر جائے گی -

۱۸ - مارچ سنہ ۱۹۰۷ء (۱) قدرت کے دروازے کھلے ہیں - (۲) نیکی یہی ہے کہ خدا کے احکام کو پورا کرنا (۳) تیری عاجزانہ راہین اس کو پسند آئیں - (۴) انی آنرتک وآثرتک - ترجمہ میں نے تجھے روشن کیا اور تجھے برگزیدہ کیا - (۵) جو دعائیں آج قبول ہوئیں ان میں قوت اور شوکت اسلام بھی ہے - (۶) تیرے لئے ایک خزانہ مخفی تھا - (۷) کل لک ولامرک - ترجمہ سب تیرے لئے اور تیرے حکم کے لئے ہے (۸) یا اللہ اب شہر کی بلائیں بھی ٹال دے - (۹) ایک موسیٰ ہے میں اسکو ظاہر کرونگا اور لوگون کے سامنے اسکو عزت دونگا - (۱۰) اجرالاثیم وأریہ الجحیم (ترجمہ حسب تفہیم) اور جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسکو گھسیٹونگا اور اسکو دوزخ دکھلاونگا - (۱۱) بلجت ایاتی - ترجمہ میرے نشان ظاہر ہو جائینگے (۱۲) قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون - ترجمہ کہہ کہ اللہ ہے اور پھر انکو چھوڑ دے - اپنی بیہودگی میں لعب کریں (۱۹) مارچ سنہ ۱۹۰۷ء

ہو خواب میں مینے دیکھا کہ میری بیوی مجھے کہتی ہے - کہ مینے خدا کی مرضی کیلئے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے آسپر میں نے انکو جواب میں یہ کہا کہ اسی سے تو تم پر حسن چڑھا ہے یہ فقرہ اس فقرہ سے مشابہ ہے جو زبور میں ہے کہ تو حسن ۴۴

۴۴ میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے - (۲) اردت زمان الزلزلۃ یعنی مینے ارادہ کیا ہے کہ زلزلہ کا زمانہ آجائے

تو ناچار جو علم اور امتیاز اور تیقظ بذریعہ حواس کے انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ حالت خواب مین بباعث تعطل حواس نہین رہتا کیونکہ جب حواس بوجہ غلبہ رطوبت مزاجی معطل ہو جاتے ہین۔ تو بالضرور اس فعل مین بھی فتور آجاتا ہے۔ پھر بعلت اس فتور کے انسان نہین سمجھ سکتا۔ کہ مین خواب مین ہون یا بیداری مین لیکن ایک اور حالت ہوتی ہے۔ کہ جس سے ارباب طلب اور اصحاب سلوک کبھی کبھی ممتتع اور محفوظ ہو جاتے ہین اور وہ یہ ہے کہ بباعث دوام مراقبہ وحضور واستیلا رشوق وغلبہ محبت ایک حالت غیبت حواس انپر وارد ہو جاتی ہے۔ سبکا یہ باعث نہین ہوتا کہ دماغ پر رطوبت مستولی ہو۔ بلکہ اسکا باعث صرف ذکر اور شہود کا استیلا ہوتا ہے۔ اس حالت مین چونکہ تعطل حواس بہت کم ہوتا ہے اس جہت سے اسبات پر متنبہ ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی قدر بیدار ہے خواب مین نہین اور نیز اپنے مکان اور اسکے تمام وضع پر بھی اطلاع رکھتا ہے یعنی جس مکان مین ہے اس مکان کو برابر شناخت کرتا ہے۔ حتی کہ لوگون کی آواز بھی سنتا ہے۔ اور کل مکان کو بچشم خود دیکھتا ہے صرف کسی قدر بجذبہ غیبی غیبت حس ہوتی ہے۔ اور جو انسان خواب کی حالت مین اپنی رویا مین اپنے تئین بیدار معلوم کرتا ہے یہ علم بذریعہ حواس نہین بلکہ اس علم کا منشاء فقط روح ہے۔

دوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ فناء اتم نہایت غایت المراتب ونہایت الوصال مین علم حق رہتا ہے۔ یا نہین اول سمجھنا چاہیے۔ کہ فناء اتم عین وصال کا نام نہین۔ بلکہ امارات اور آثار وصال مین سے ہے۔ کیونکہ فناء اتم مراد اس حالت سے ہے کہ طالب حق خلق اور ارادات اور نفس کے باہر ہو جائے اور فعل اور ارادات الہی مین بکلی حلول کر جائے یہان تک کہ اسی کے ساتھ دیکھتا ہو اور اسی کے ساتھ سنتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ پکڑتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ چھوڑتا ہو۔ بس یہ تمام آثار وصال کے ہین نہ عین وصال اور عین وصال ایک بیچون اور بیچگون نور ہے۔ کہ جسکو اہل وصال شناخت کرتے ہین مگر بیان نہین کر سکتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب طالب کمال وصال کا خدا کے لئے اپنے تمام وجود سے الگ ہو جاتا ہے اور کوئی حرکت اور سکون اسکا اپنے لئے نہین رہتا بلکہ سب کچھ خدا کے لئے ہو جاتا ہے تو اسکو لطف عمیق اس کو

ایک روحانی موت پیش آتی ہے جو بقا کو مستلزم ہے۔ پس اس حالت مین گویا وہ بعد موت کے زندہ کہا جاتا ہے اور غیر اللہ کا وجود اسکی آنکھہ مین باقی نہین رہتا یہانتک کہ غلبہ شہود ہستی الٰہی سے وہ اپنے وجود کو بھی نابود ہی خیال کرتا ہے پس یہ مقام عبودیت و فناء اتم ہے۔ کہ جو غایت سیر اولیا ہے۔ اور اسی مقام مین غیب سے باذن اللہ ایک نور سالک کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔ جو تقریر اور تحریر سے باہر ہے۔ غلبہ شہود کی ایک ایسی حالت ہے کہ جو علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبہ سے برتر ہے صاحب شہود تام کو ایک علم تو ہے مگر ایسا علم جو اپنے ہی نفس پر وارد ہو گیا ہے جیسے کوئی آگ مین جل رہا ہے سو اگرچہ وہ بھی جلنے کا ایک علم رکھتا ہے۔ مگر وہ علم الیقین اور عین الیقین سے برتر ہے کبھی شہود تام بیخبری تک بھی نوبت پہنچا دیتا ہے۔ اور حالت سکر اور بیہوشی کی غلبہ کرتی ہے اس حالت سے یہ آیت مشابہ ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا لیکن حالت تام وہ ہے جسکی طرف اشارہ ہے۔ وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یہ حالت اہل جنت کو ہی نصیب ہوگی پس غایت یہ ہے کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ ارشاد فرمایا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۸ مارچ ۱۸۹۳ء مطابق ۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۱۰ھ

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا والا نامہ پہنچا خداوند کریم آپ کو خوش و خرم رکھے آپ دقایق متصوفین سے سوال پیش کرتے ہین۔ اور یہ عاجز مفلس ہے محض حضرت ارحم الراحمین کی ستاری نے اس ہیچ اور ناچیز کو مجالس صالحین مین فروغ دیا ہے ورنہ من آنم کہ من دانم کاروبار قادر مطلق سے سخت حیران ہے کہ نہ عابد نہ زاہد کیونکر اخوان مومنین کی نظر مین بزرگی بخشتا ہے اسکی عنایات کی کیا ہی بلند شان ہے اور اس کے کام کیسے عجیب ہین۔ ع بندہ بدگانش بہ جلائے رسند؛ زما کہتر آتش چہ آید پسند؛ مین آپکے سوالات کا جواب لکھتا ہون۔ آپ نے حالت فنا ء الفنا کی یہ تعریف لکھکر کہ وہ ایک ایسی حالت ہے کہ جسمین شعور سے ہی بیشعوری ہوتی ہے یہ سوال پیش کیا ہے کہ اس مرتبہ فنا مین کہ جو چہارم مرتبہ منجملہ مراتب فنا ہے اور حالت سکریت مین کیا فرق ہے

اور سکریت سے مراد آپ نے خواب عراقی لی ہے یعنی ایسا ہونا جسمین کچہ خبر نہ ہو سو جو کچہ خبر لئے میرے دلمین اسکا جواب ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ سکریت اور فنار الفنار مین موجب اور علت کا فرق ہے۔ یعنی سکریت کی حالت مین موجب و علت ایک ظلمت ہے جو سکریت کے پیدا ہونے کا باعث ہے وجہ یہ ہے کہ سکریت اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ رطوبت مزاجی دماغ پر سخت غلبہ کر لیتی ہے۔ یہان تک کہ دماغی قوتون کو ایسا دبا لیتی ہے کہ انسان بیہوش ہو کر سو جاتا ہے۔ اور کچہ ہوش نہین رہتا پس وہ چیز جس سے سکریت وجود پکڑتی ہے۔ ایک ظلمت ہے جو اپنی اصل حقیقت مین مغائر اور منافی حواس انسانی کی ہے جسکا غلبہ ایک ظلمانی حالت نفس پر طاری کر دیتا ہے۔ اور آلات احساس کو اسقدر معطل اور بیکاری مین ڈالتا ہے کہ انکو عجائبات روحانی کا ماجرا کچہ بھی یاد نہین رہتا لیکن فنار الفنا کی حالت کا موجب اور علت یعنی سبب ایک نور ہے یعنی تجلیات صفات الٰہیہ جو بعض اوقات بعض نفوس خاصہ مین ایک نعمت ہے ایک ربودگی پیدا کرتی ہے جسکی باعث سے شعور سے بیشعوری ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک نہایت لطیف اور تیز عطر بہ کثرت کسی مکان مین رکہا ہوا ہو۔ تو ضعیف الدماغ آدمی کی بعض اوقات قوت شامہ اس کثرت خوشبو سے مغلوب ہو کر ایسی بیحس ہو جاتی ہے۔ کہ کچہ شعور اس خوشبو کا باقی نہین رہتا غرض سکریت کی حالت پیدا ہونے کے لئے موثر ہے اور موجب ایک ظلمت ہے اور فنار الفنا کی حالت پیدا ہونیکے لئے موثر اور موجب ایک نور ہے اسکی مثال یہ ہے۔ کہ بینائی کے لئے دو طور کے مانع رویت ہوتے ہین یعنی دو سبب ایک سو جاکھے انسان کی دو آنکہین دیکہنے سے رہ جاتی ہین۔ ایک تو سخت اندھیرا جسکی وجہ سے نور بینائی محجوب ہو جاتا ہے اور دیکہنے سے رک جاتا ہے۔ اور دیکہہ نہین سکتا۔ یہ حالت تو سکریت کی حالت سے مشابہ ہے دوسرے مانع بصارت سخت روشنی ہے کہ جو بوجہ اپنی شدت اور تیزی شعاع کے آنکہہ کو رویت کے فعل سے روکتی ہے۔ اور دیکہنے سے بند کر دیتی ہے۔ جیسے یہ صورت اس حالت مین پیش آتی ہے کہ جب عضو بصارت کو ٹہیک ٹہیک سورج کے مقابلہ پر رکہا جاوے۔ یعنی جب آنکہون کو آفتاب کے سامنے کیا جاوے

کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ جب آنکھہ آفتاب کے محاذات مین ٹکٹکی باندھے یعنی آفتاب کی آنکھہ اور انسان کی آنکھ آمنے سامنے ہو جاوین تو اسصورت مین بھی انسان کی آنکھہ فعل بصارت کے بکلی معطل ہو جاتی ہے۔ اور روشنی کی شوکت اور ہیبت اسکو ایسا دباتی ہے کہ اوس کی تمام قوت بینائی اندر کی طرف بہاگتی ہے۔ پس یہ حالت فنار الفنار کی حالت سے مشابہ ہے۔ اور اس فقدان رویت مین جو دو نو طور ظلمت اور نور کی وجہ سے ظہور مین آتا ہے۔ سکریت اور فنار الفنار کے سمجھنے کے لئے بڑا نمونہ ہے۔ مگر باین ہمہ باطنی کیفیت جس کا باعث تجلیات الہیہ اور جذبات غلبیہ ہوتے ہین بیچون اور بچگون ہے جسمین اجتماع ضدین بھی ممکن ہے۔ باوجود بے شعوری کے شعور بھی ہو سکتا ہے۔ اور باوجود شعور کے بیخبری بھی ہو سکتی ہے۔ مگر ظلماتی حالات مین اجتماع ضدین ممکن نہین۔ وہ عالم اس عالم سے بکلی امتیاز رکھتا ہے۔ فلا تضربوا للہ الامثال الایہ س ۱۴۔ اس ماجیت سے پہلے لکھا گیا تھا۔ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا الایہ س ۱۴۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیہوش ہو کر گرنا ایک واقعہ نورانی تھا جسکا موجب کوئی جسمانی ظلمت نہ تھی۔ بلکہ تجلیات صفات الہیہ جو بغایت اشراق نور ظہور مین آئی تھین وہی اسکا موجب اور باعث تھین جنکی اشراق تام کیوجہ سے ایک عاجز بندہ عمران کا بیٹا بیہوش ہو کر گر پڑا اور اگر عنایت الہیہ اسکا تدارک نہ کرتی۔ تو اسی حالت مین گداز ہو کر نابود ہو جاتا۔ مگر یہ مرتبہ ترقیات کا انتہائی درجہ نہین انتہائی درجہ وہ ہے جس کی نسبت لکھا ہے۔ مازاغ البصر وماطغی الایہ س ۲۷ انسان زمانہ سیر سلوک مین اپنے واقعات کشفیہ مین بہت سے عجائبات دیکھتا ہے۔ اور انواع واقسام کے واردات اسپر وارد ہوتے ہین۔ مگر اعلےٰ مقام اس کا عبودیت ہے۔ جسکا لازمہ صحو ہے اور ہوشیاری اور سکر اور سطح سے بکلی بیزاری ہے۔ ہدانا اللہ ایانا وایاکم صراط المستقیم الذین انعم علی النبیین والصدیقین و الشہداء والصالحین وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین ۵ وعلی اخوانکم من المومنین فقط - ۲۵ مارچ ۱۸۸۳ء مطابق ۱۵ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ

۹ مکرمی مخدومی مولوی عبدالقادر صاحب کی خدمت مین اس عاجز کا سلام مسنون پونہچا دین۔

غرضیکہ قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات کریمہ موجود ہیں جو کہ صاف اور کھلے طور پر بتاتی ہیں کہ منافق دنیا اور آخرت میں ملعون اور ذلیل وخوار اور ناکام و نامراد اور ایسے مخذول بل اور مطرود و متروک ہونگے۔ کہ جن کا دنیا بھر میں کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا۔ اور ان کے بالمقابل مؤمنوں کے لئے یہ بتاتی ہیں کہ مومن لوگ دنیا اور آخرت میں مورد رحمت و فضل الٰہی اور معزز و کامیاب اور مظفر و منصور ہونگے کہ جن کا ناصر مومنوں اور فرشتوں کے علاوہ خود خدائے قدیر ذوالجلال والاکرم ہے۔ اور یہ دونوں ایسے کھلے امر ہیں کہ جن کے ثبوت میں کسی موافق اور مخالف کو شک اور تردد کی گنجائش نہیں ہے تو جب قرآن مجید نے مومنوں اور منافقوں کے درمیان یہ بین امتیاز بیان فرمایا ہے تو اب اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے اسی قدر ضرورت باقی رہتی تھی۔ کہ واقعات صحیحہ پر نظر ڈالکر یہ فیصلہ کیا جاوے کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ میں مومنوں والے علامات و آثار پائے گئے ہیں۔ یا کہ منافقوں والے تو اہل سنت والجماعت کو جانے دو شیعہ لوگ خود اس امر کے قائل ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے ابوبکرؓ مسند خلافت پر بیٹھا اور سب اہل اسلام پر فرمان روا ہوا۔ پھر اسکے بعد عمرؓ خلافت پر بیٹھے اور پھر عثمان نے خوب کامیابی کے ساتھ خلافت کی۔ پھر یہی نہیں بلکہ شیعہ لوگوں کا پختہ اعتقاد ہے۔ کہ حضرت علیؓ حقدار خلافت تھے اور آنحضرت نے اس کے لئے وصیت کر دی تھی۔ کہ میرے بعد علیؓ ہی میرا خلیفہ ہو۔ اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اپنا حق خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور بہت کچھ آپنے کوشش بھی کی۔ لیکن پہلے تو ابوبکر نے حق خلافت جبراً اور قہراً حضرت علی سے غصب کر لیا۔ پھر ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ نے اور عمرؓ کے بعد عثمانؓ نے۔ پس شیعہ کے اس مسلم تاریخی واقعہ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے جو صفات مومنوں کے بیان کئے ہیں۔ وہ تو ابوبکر و عمر و عثمان میں اتم طور پر موجود ہیں۔ اور نعوذ باللہ من ذالک) یہ صفات حضرت علی میں بالکل موجود نہیں بلکہ (نعوذ باللہ من ذالک) بقول کل شیعہ ان میں منافقوں کے صفات موجود تھے۔

کیونکہ شیعہ صاحبان نے اوّل تو خلفاء ثلثہ اور حضرت علیؓ کو متقابل دو فریق قرار دیا ہے۔ اور پھر دونوں کے مابین کے نزاع کا فیصلہ یہ بیان کیا ہے کہ خلفاء ثلثہ

یکے بعد دیگرے غالب اور مظفر و منصور اور کامیاب و معزز ہوئے ۔ اور حضرت علی مغلوب اور متروک و مخذول اور وھموا بما لم ینالو کے مطابق سخت نامراد اور لن تجد لھم نصیراً کے موافق خالق اور مخلوق دونون کے مدد اور نصرت سے محروم اور سخت ترذلیل، و خوار ہوئے اور یہ ایسا کھلا معاملہ ہے ۔ کہ اگر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی اول قرآن مجید سے مومنون یا یون کہو کہ صحابہ کرام اور منافقون کے صفات تلاش کر کے ملحوظ رکھے اور پھر کل شیعہ کی متفق علیہ تاریخ کے مطابق خلفاء ثلثہ رض اور حضرت علی رض کے حالات کو اپنی نظر کے سامنے رکھے تو اس میں ذریکے برابر بھی اس کو شک نہ رہیگا کہ خلفاء ثلثہ اعلیٰ اور اکمل اور اتم درجہ کے مومن تھے اور حضرت علی (نعوذ باللہ من ذالک) منافق بلکہ رئیس المنافقین تھے

پھر اس پر طرفہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے علاوہ مذکورہ بالا صفات کے منافقون کی ایک کھلی کھلی اور موٹی بدیہی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب مومنون کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور جب اپنے گروہ کے لوگون سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے ۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ (اور جب مومنون کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب جاتے ہیں ۔ اپنے شیطانون کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں ۔ اور شیعہ صاحبان اس بات کے قایل ہیں کہ حضرت علی رض شیر خدا اسد اللہ الغالب خلفاء ثلثہ اور ان کے ساتھیون کو منافق مرتد اور بدترین کفار یقین کرتے تھے ۔ اور اپنے لوگون کے آگے اس اعتقاد کا اظہار بھی کیا کرتے تھے ۔ لیکن باوجود شیر خدا اور اسد اللہ الغالب من کل غالب ہونے کے پھر بھی آپ کا یہ وطیرہ تھا ۔ کہ خلفاء ثلثہ میں سے ہر ایک کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی اطاعت کا دم بھرتے اور ان کے پیچھے پنج وقتہ نمازین پڑھتے تھے ۔ پس بالفاظ دیگر شیعہ صاحبان نے اس امر کا بھی اقرار کر لیا ہے کہ حضرت علی میں اور ان کے ساتھیون میں منافقون کی یہ کھلی کھلی صفت بھی کھلے طور پر موجود تھی ۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ شیعہ صاحبان کو یہ بات محسوس ہوئی کہ ہمارے اس عقیدہ سے شیر خدا (نعوذ باللہ من ذالک) منافق قرار پاتے ہیں ۔ پر باوجود اس کے موجودہ اعتقاد سے دست بردار نہ ہوئے اور یہ زد ایسی تھی جس سے بجز